لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

کاش! بیروت کا المیہ مسلمانوں میں بیداری پیدا کردے

دنیا کی بڑی طاقتوں یا عالمی اداروں سے کوئی امید رکھنا بدنصیبی ہوگی

بیروت کے حالیہ المیہ پر

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بیان

بیروت میں اسرائیل کی وحشیانہ اور سفاکانہ کارروائیوں، فلسطینی پناہ گزینوں، اور مجاہدین آزادی کے جبری انخلاء اور آخر میں لبنان کے مارونی عیسائیوں اور فلانجسٹ کے ہاتھوں باقی ماندہ فلسطینیوں کا بے رحمانہ قتل عام ایسا واقعہ ہے جو موجودہ دور اور متمدن دنیا میں عرصہ سے پیش نہیں آیا اور جس کی نظیر دور دور نہیں ملتی۔

اس سے ایک طرف روز روشن کی طرح یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ موجودہ انسانی نسل میں اور اچھے متمدن تعلیم یافتہ اور تہذیب کے مدعی انسانوں میں بھی، اب بھی وہ خون آشامی بلکہ خونخواری پائی جاتی ہے، جو ہزاروں برس پہلے کے دور جاہلیت کی خصوصیت اور بعض آدم خور قوموں اور قبائل کی روایت سمجھی جاتی تھی اور اس کے متعلق باور کر لیا گیا تھا کہ علم و تہذیب، باہمی تعارف اتحاد کی ضرورتوں نے اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے، اسی کے ساتھ بیروت کے مارونی عیسائیوں کی تنظیم حزب الکتائب یا فلانجسٹ (جس کے لیڈر مقتول بشیر الجمیل تھے) کے ہاتھوں فلسطینیوں کے وحشیانہ

(بقیہ ص۲۲ پر)

Regd No. LW/NP 56

Phone : 42948, 49747

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226007 (India)

نگرانِ اعلیٰ: مولانا ابوالعرفان ندوی

مجلس ادارت: شمس الحق ندوی، محمود الازہار ندوی

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے پرکاش پیکرز، گولا گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

مشرق کے بہترین روح پرور عطریات جو اپنی بھینی بھینی خوشبو کے لئے مشہور ہیں!

عطر مجموعہ ۹۶ رجسٹرڈ

ATTAR MAJMUA 96

عطر نسیم رجسٹرڈ

ATTAR NASEEM

حامی اینڈ کمپنی پرفیومرس جامع مسجد بمبئی ۲

HAMI & CO. Perfumers

Juma Masjid, BOMBAY-2 (INDIA)

PREMIER ADVERTISERS

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ کٹنے جلنے کی مشہور دوا

مئو کے اصلی نورانی تیل کے لیبل پر لائسنس نمبر U-18/77 اور کیپسول پر مارکہ صاف صاف پڑھ کر خریدیں، اگر جعلی لائسنس نمبر ہو تو ڈرگ انسپکٹر سے جانچ کرالیں

انڈین کیمیکل کمپنی۔ مئوناتھ بھنجن یوپی

سوپر ڈسٹ کے اسپشلسٹ

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone { SHOP: 862220
RESI: 898684

۴۴- حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

الکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ و ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء — ۲۲ ذی الحجہ و ۷ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ | شمارہ نمبر ۲۳-۲۴

زر تعاون

اندرون ملک .... [illegible]

فی پرچہ .... ایک روپیہ

بیرون ملک بحری ڈاک .... [illegible]

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک .... [illegible]

افریقی ممالک .... [illegible]

یورپ و امریکہ .... [illegible]

اداریہ

محمود الازہار ندوی

لبنان میں فلسطینیوں کا قتل عام
اور
عالم اسلام کی ذمہ داری

اسرائیل کے سابق وزیر اعظم اسحاق رابن نے ۱۹۷۵ء میں لبنان کی خانہ جنگی کے ابتدائی مرحلہ میں اسرائیلی پارلیمنٹ میں لبنانی عیسائیوں کے ساتھ اپنی کلی ہمدردی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ اسرائیل اس علاقہ میں کسی بھی تنازعہ سے دور رہنے کے لئے تیار نہیں ہے انھوں نے لبنان کی تشکیل کو غلط بتایا تھا اور کہا تھا کہ وہاں کے عیسائیوں کی وہی حالت ہوگی جو عراق میں کردوں کے ساتھ ہوتی ہے اور یاسر عرفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ یہ قوم انکے پیروں تلے کچلی جائے گی اس وقت اسرائیلی اور عیسائی لبنان میں مسلمانوں کی تعداد، قوت اور طاقت جو فلسطینیوں کی آمد کی وجہ سے زائد اور طاقتور ہوگئی تھی، سے خوفزدہ تھے اور اس عنصر کو کمزور کرنے کے لئے اسرائیل نے لبنانی عیسائیوں سے مل کر فلسطینیوں کے خلاف سازش شروع کردی پہلے لبنانی رائے عامہ کو ورغلایا اور ملک کو مسلسل خانہ جنگی میں مبتلا رکھا جس کی سب سے زیادہ ضرب فلسطینیوں پر پڑی اور انھیں دشمن اور دوست دونوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

اس سازش کو بڑی طاقتوں نے بہت ہی عیارانہ طور پر تیار کیا، فلسطینیوں کا جبریہ تخلیہ کرایا انھیں غیر مسلح کیا اور آخر میں ان کا قتل عام کیا اور اس پر پردہ ڈالنے کے لئے عیسائی پریس عوام کو گمراہ کرنے پر لگا ہے کہ بدی کو بد کے ساتھ منسوب کردو کیونکہ اسرائیل کا نام ہی اس ملک کا ہے جس کے نزدیک بین الاقوامی اصول وضوابط، عالمی رائے عامہ جیسی کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور یہودی اسٹیٹ کے پہلو میں ایک عیسائی اسٹیٹ کی داغ بیل ڈال دو۔

یہ حقیقت ہے کہ عیسائی دنیا بشمول یہودی فلسطین اور بیت المقدس پر مسلمانوں کی تولیت اور وہاں کی آبادی کو بحیثیت مسلمان آجتک تسلیم نہیں کیا ہے اور جب جب انھیں موقع ملتا ہے وہ مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں لیت ولعل سے کام نہیں لیتے ہیں اور ظلم وسفاکیت کا جب موقع ملتا ہے اُسے ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ہیں۔ رومیوں نے عموریہ (۲۲۳ھ-۸۳۸ء) پر جب قبضہ کیا تو مظالم کی انتہا کردی۔ مردوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ناک اور کان کاٹ ڈالے، اسی طرح صلیبی افواج نے جب بیت المقدس پر قبضہ کیا تو جس سفاکیت اور خونخواری کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ایک عینی شاہد ریمانڈ واثر ویل بوئی بیان کرتا ہے کہ بیت المقدس کے راستوں اور ہر جگہ پر سروں، ہاتھوں اور پیروں کے انبار لگے ہوئے تھے اور لاشوں پر چلنا پڑتا تھا... ہیکل سلیمانی میں اس قدر خون بہا تھا کہ اسکے صحن میں لاشیں تیرتی پھرتی تھیں کسی کا ہاتھ کسی کا پیر کسی کا دھڑ، سب بے جوڑ اس طرح ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ انھیں پہچاننا مشکل تھا، صلیبی مجاہدوں نے اس فتح کا مژدہ پوپ کو ان الفاظ میں سُنایا — اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جب ہمارے سپاہی حضرت سلیمانؑ کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔

اسی قسم کی سفاکیت اور وحشت کا مظاہرہ فلانجسٹوں نے اپنی عین فطرت کے مطابق لبنان میں فلسطینیوں کے ساتھ کیا ہے۔ ہزاروں مرد عورت اور بچے قتل کر دئے گئے۔ شواہد یہ بتاتے ہیں کہ انھیں اذیت دے کر قتل کیا گیا، کاٹا پیٹا گیا۔ ڈو امریکی صحافی جنھوں نے صابرہ اور شتیلا کے کیمپوں کو بچشم خود دیکھا بتایا کہ ہم نے دو لاشوں کو دیکھا جن کی کھال اتری ہوئی تھی، ننھے ننھے بچوں کے جسم پر چاقوؤں کے وار تھے۔ بعض لاشوں کی کھوپڑیاں کھلی ہوئی تھیں اور بعض کی آنکھیں نکلی ہوئی تھیں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ فلانجسٹوں نے کس بے دردی سے فلسطینیوں کا قتل عام کیا، اخبارات میں ان کی تعداد بہت محدود آئی ہے مگر جیسا کہ یاسر عرفات کا کہنا ہے کہ ۲۰ ہزار فلسطینی ہلاک یا لاپتہ ہیں اور مختلف ذرائع کے اندازوں کو یکجا کیا جائے تو یہ تعداد چالیس ہزار کے قریب پہونچتی ہے خود لبنانی حکومت جس نے اس تعداد کو بہت کم کرکے دکھایا ہے اس نے بھی ۲ اور ۲ ہزار کے درمیان بتایا ہے۔

فلسطینیوں کے اسی قتل عام اور عرب ممالک کی بے حسی اور بے حمیتی اور انکی جانب سے عدم مداخلت بلکہ مدافعانہ صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے اسرائیلی وزیر اعظم کو یہ اعلان کرنے کی جرأت ہوئی کہ ہمارے گرد و پیش کوئی ملک نہیں ہے جو ہم پر حملہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو ہم نے شام کے بہترین ٹینک اور طیارے تباہ کر دئے ہیں، اردن ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں رکھتا اور مصر سے جو معاہدہ امن ہوا تھا اس کی لبنان کی لڑائی میں آزمائش ہوگئی ہے، مگر لبنانی وزیر اعظم شفیق وزان نے اس منطقہ میں اسرائیل کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ اور عالم عربی کی بے بسی اور اسرائیل کی لبنان پر للچائی ہوئی نظریں اور عظیم اسرائیل کے خواب کو محسوس کر لیا ہے اور خبردار کیا ہے کہ لبنان کو اسرائیل سے امن سمجھوتہ کرنے کی

(بقیہ صفحہ ۔۔ پر)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دینی و ادبی کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 24/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات

مولانا سید سلیمان ندوی

(ترمذی نے شمائل میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیئے تھے، ایک عبادت الٰہی کے لئے، دوسرا عام خلق کے لئے اور تیسرا اپنی ذات کیلئے)

صبح سے شام تک کے معمولات معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر (جا نماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا، (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا، لوگ پاس آ آ کر بیٹھتے اور آپ انکو مواعظ ونصائح تلقین فرماتے)

(اکثر صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے، آپ اس کی تعبیر بیان فرماتے، کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی، لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے، ہنسی خوشی کی باتیں کرتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکرا دیتے۔ اکثر اسی وقت مال غنیمت اور وظائف وخراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار، کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے، گھر جا کر گھر کے دھندے میں مشغول رہتے، پھٹے کپڑوں کو سیتے جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے۔ دودھ دوہ دیتے۔

نماز عصر پڑھ کر ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے، اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے پھر جس کی باری ہوتی، وہیں رات بسر فرماتے، تمام ازواج مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں، عشاء تک صحبت رہتی، پھر نماز عشاء کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس ہو کر سو رہتے، ازواج رخصت ہو جاتیں، نماز عشاء کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے۔

خواب عام معمول یہ تھا کہ آپ اول وقت نماز عشاء پڑھ کر آرام فرماتے تھے سوتے وقت التزاماً قرآن مجید کی کوئی سورہ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صف، تغابن، جمعہ) پڑھ کر سوتے، شمائل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے۔

اللّٰھم باسمک اموت واحیی

خدایا تیرا نام لے کر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں،

جاگتے تو فرماتے،

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور،

اس خدا کا شکر جس نے موت کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف حشر ہوگا۔

آدھی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے سواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی، اٹھ کر پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے، اور عبادت میں مشغول ہوتے، آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی۔

ہمیشہ داہنی کروٹ اور داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پہر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ داہنا ہاتھ اونچا کر کے چہرہ اس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آجائے، نیند میں کسی قدر خراٹے کی آواز آتی تھی۔

بچھونے میں کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔

عبادت شبانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی معمولات اور اوراد سے حضرت عائشہ کے برابر کوئی واقف نہ تھا، ان سے مروی ہے کہ جب سورۂ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ نے اسقدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر ورم آگیا، بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیام لیل جو اب تک فرض تھا نفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعتیں متصل پڑھتے جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے، پھر ایک اور رکعت پڑھتے، اور اس میں بھی جلسہ کرتے، پھر دو رکعت اور ادا کرتے، اس طرح ۱۱ رکعتیں ہو جاتیں لیکن جب عمر زیادہ ہوگئی اور جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتیں پڑھتے جن کے بعد دو رکعتیں اور ادا کرتے کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا آنکھ نہ کھلتی اور اس معمول میں فرق آتا تو دن میں ۱۲ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عشا کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر میں چلے آتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت فرماتے تو وضو کا پانی اور مسواک سرہانے رکھ کر سو کر اٹھتے، پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آکر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں زمین پر فرش بچھا ہوا تھا، آپ نے اس پر آرام فرمایا، میں سامنے آڑا سو رہا، قریباً رات ڈھلے آپ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے، آل عمران کی اخیر دس آیتیں پڑھیں، پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی اس سے وضو کیا، پھر نماز شروع کی، میں بھی وضو کرکے بائیں پہلو میں کھڑا ہو گیا، آپ نے ہاتھ پکڑ کر داہنی جانب پھیر دیا، ۱۲ رکعتیں پڑھ کر آپ سو رہے یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی صبح ہوتے حضرت بلال نے اذان دی، آپ اٹھے فجر کی سنتیں ادا کیں، پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔

معمولات نماز ابتدا میں آپ ہر نماز کیلئے نیا وضو کرتے تھے لیکن جب یہ گراں گزرنے لگا تو صرف بجو قت سواک رہ گئی، فتح مکہ میں آپ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں، تاہم عادۃً آپ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے وضو میں عام معمول تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے پھر کلی کرتے، اور ناک میں پانی ڈالتے، اسکے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے، سر کا مسح کرتے، اور تین بار پاؤں کو دھوتے، بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دو بار اور کسی کو ایک بار دھوتے،

سنن ونوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے اذان صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی یا نہیں، لیکن فرض کی دو رکعتوں میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے حضرت عبد اللہ بن سائبؓ سے مروی ہے کہ ایک بار آپ نے مکہ میں نماز فجر میں سورۂ مومنین پڑھی اسی طرح واللیل اذا یغشی اور کبھی سورہ ق پڑھتے، صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ صبح کی نماز میں ۶۰ سے لیکر ۱۰۰ آیتوں تک پڑھتے تھے،

(بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

اس شمارے میں

۱۔ بیروت کے حالیہ المیہ پر مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا بیان	۱	۹۔ پردہ تہذیب میں غارت گری آدم کشی	۱۲
۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات	۲	۱۰۔ بداعمال کی موت کا منظر اتنا بھیانک ہوتا ہے	۱۳
۳۔ لبنان میں فلسطینیوں کا قتل عام اور عالم اسلام کی ذمہ داری	۳	۱۱۔ اسلامی فکر و تہذیب کا اثر ہندوستان پر	۱۴
۴۔ جوش نہیں ہوش	۴	۱۲۔ تحقیقات اسلامی	۱۸
۵۔ ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب	۵	۱۳۔ قربانی کا پرو	۱۹
۶۔ کامیاب علماء	۷	۱۴۔ طلبہ کا صفحہ	۲۴
۷۔ قربانی کے بعد	۹	۱۵۔ دعوت خیر	۲۶
۸۔ قرن اول میں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے	۱۰	۱۶۔ ندوہ کے شب و روز	۲۷

عربی سے ترجمہ

جوش نہیں ہوش

بلاد عربیہ کے ممتاز عالم ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا نوجوانوں سے خطاب

ایک نوجوان نے مجھ سے ایک دن پوچھا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟

میں نے کہا: کیوں نہیں۔

اس نے کہا: کیا خدا کا یہ وعدہ نہیں کہ باطل کے مقابلہ میں حق کی جیت اور کفر کے مقابلہ میں ایمان و اسلام کا پرچم بلند ہوگا؟

میں نے کہا: بالکل خدا نے وعدہ کیا ہے اور خدا کا وعدہ سچا ہے۔

اس نے کہا: پھر تاخیر کیسی اور انتظار کس بات کا؟ کیوں نہ ہم باطل سے نبرد آزمائی کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں کود پڑیں؟

میں نے کہا: آپ کا یہ جذبہ مبارک، لیکن خدا کی مدد یوں نہیں ہوا کرتی اس کے کچھ اصول و ضوابط ہیں۔ ان پر عمل کئے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی دور کے اوائل ہی میں شرک و بت پرستی کے خلاف جہاد کا اعلان فرما دیا ہوتا اور کسی قیمت پر اس پر تیار نہ ہوتے کہ کعبۂ اطہر کے پاس نماز پڑھی جائے اور اس کے چاروں طرف لاتعداد بت نصب ہوں۔

اس نے کہا: وہ اصول و ضوابط کیا ہیں؟

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ حق کی مدد محض اس کے حق ہونے کی بنا پر نہیں کیا کرتا بلکہ حق کی مدد حق والوں کے ذریعہ۔ اس کے قدسی نفوس جانبازوں و جاں سپاروں کے ذریعہ اور کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے والے مسلمان بھائیوں ہی کے ذریعہ کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے،

"ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین والف بین قلوبھم۔"

(وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے قوت دی اور اس نے ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا)۔

اس نے کہا: وہ فرشتے کہاں ہیں جو اسلام کو منصور و مظفر اور باطل کو خوار و سرنگوں کرنے کے لئے خدائی مدد لیکر آتے ہیں اور جو غزوہ بدر و خندق اور حنین میں آئے۔

میں نے کہا: فرشتے تو بہر حال موجود ہیں اور وہ خدا کے حکم سے نصرت و اعانت لے کر آ بھی سکتے ہیں لیکن ان کا نزول محض خیالی باتوں پر نہیں ہوا کرتا بلکہ جب خدا کے نیک بندے سر بکف ہو کر میدان جہاد میں داد شجاعت دیتے ہیں، خدا کی زمین پر امن و امان کا بول بالا کرنے کے لئے خون پسینہ ایک کرتے ہیں ان کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں نصرت خداوندی کی ضرورت پڑتی ہے تو یہ فرشتے خدا کے ان محبوب بندوں کے حق میں رحمت و نصرت اور ان کے دست و بازو بن کر اترتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:-

"واذ یوحی ربک الی الملائکۃ انی معکم فثبتوا الذین آمنوا۔

(اور اس وقت کو یاد کرو جب آپ کے پروردگار نے وحی کر دیا تھا فرشتوں کی جانب کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سو ایمان والوں کو جمائے رکھو)۔

اس آیت کریمہ کی رو سے ضروری ہے کہ پہلے وہ اہل ایمان تو ہوں جن پر یہ فرشتے ظفر و نصرت کا مژدۂ جانفزا لیکر اتر سکیں۔

اس نے کہا: اگر سچے مومنین پائے جائیں تو خدا کی مدد آئے گی؟

میں نے کہا: اس سلسلہ میں ضروری ہے کہ اپنے فکر و پیغام کی تبلیغ و اشاعت، اپنے منصب و مشن کی بے کم و کاست انجام دہی و عہدہ براری، تعداد میں کثرت و اضافہ، اپنے مرکز کی توسیع اور اس کا استحکام، مخالفین کو دنداں شکن جواب دیکر ساکت و لاجواب کرنے اور ان میں اپنے اثر و رسوخ کا سکہ بٹھانے میں وہ برابر کوشاں رہیں تاکہ مخالفین کا مقابلہ کرنے اور ان پر اپنا تسلط جمانے میں کوئی دقت نہ ہو۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ایک شخص کا سو یا ہزار سے مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جانا نہ تو از روئے شریعت جائز ہے اور نہ تو عقل ہی اسے روا سمجھتی ہے البتہ قرآن کے بیان کرنے کے مطابق ایک مرد مومن دس کافروں کے مقابلہ پر اتر سکتا ہے۔ ارشاد باری ہے:-

"ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون"

(انفال - ۶۵)

(اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے)۔

یہ حکم قوت و عزیمت کی صورت میں ہے، ضعف و رخصت کی صورت میں یہ حکم ہے:

"الآن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین۔"

(اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں جوش کی کمی ہے سو اب اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ کے حکم سے اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے)۔

اس نے کہا، لیکن دشمنان دین ان کو اپنے منصب و مشن کی انجام دہی اور اپنے فکر و پیغام کی اشاعت کا موقع کبھی نہیں دیتے بلکہ مزید برآں ان کی راہ میں کانٹے بچھاتے ہیں، ان کے پیروں کے نیچے سرنگی بارود رکھتے ہیں اور دن دہاڑے ان کے چراغ کو گل کر دینا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا: اس پُر آشوب اور نازک موڑ پر فلاح و بہبود سے ہم کنار ہونے اور فتح و نصرت حاصل کرنے کے لئے ایک چیز کا اہتمام نہایت ضروری ہے، وہ ہے حوصلہ فرسا مصائب پر صبر و شکر، اور عزم کو فیل کر دینے والی منزل سے کبیدہ خاطر ہوئے بغیر چیلنج و مبارزت کا پوری پامردی و اولوالعزمی سے مقابلہ کرنے میں ثابت قدم رہنا جیسا کہ ارشاد نبوی ہے، اعلم ان النصر مع الصبر۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف مکی سورتوں کے اختتام پر صبر و شکر کی تلقین و تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"واتبع ما یوحی الیک حتی یحکم اللہ وھو خیر الحاکمین۔"

(اور آپ اس کی پیروی کیجیے جو آپ پر وحی کیا جاتا ہے اور صبر کئے رہئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ صادر کرے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے)۔

اور سورۂ نحل کے آخر میں ہے:

"واصبر وما صبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون، ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔"

(آپ صبر کئے رہئے اور آپ کا صبر تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ ان پر غم نہ کیجئے اور ان چالوں سے جو یہ لوگ چلتے رہتے ہیں، تنگ دل نہ ہوجیے بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ رہتا ہے جو تقویٰ اختیار کئے رہتے ہیں، اور جو لوگ کہ حسن سلوک کرتے رہتے ہیں)۔

اور سورۂ روم کے اخیر میں ہے:-

"فاصبر ان وعد اللہ حق ولا یستخفنک الذین لا یوقنون۔"

(سو آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ بے یقین ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں)۔

اور سورۂ احقاف کے اخیر میں ہے:-

"فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل ولا تستعجل لھم۔"

(آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے پیمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے حق میں جلدی نہ کیجئے)۔

اور سورۂ طور کے اخیر میں ہے:-

"واصبر لحکم ربک فانک باعیننا وسبح بحمد ربک حین تقوم۔"

(آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے قائم رہئے اس لئے کہ آپ تو ہماری حفاظت میں ہیں، اور آپ اپنے پروردگار کی حمد تسبیح کیا کیجئے جب اٹھا کیجئے)۔

اس نے کہا، لیکن بسا اوقات صبر کا سلسلہ دراز یہ نوبت ہی نہیں آنے دیتا کہ کسی ایسی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آئے جس کی بدولت شریعت کے مالی و دیوانی احکام کا بے کم و کاست نفاذ عمل میں آئے، امت کو حیات نو ملے، خدا

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عنوان بالا کے ماتحت صحابہؓ و تابعین، ائمۂ اسلام، علماء راسخین اور بلند پایہ شائخ اور اہل قلوب کے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں، جن سے ان کے قرآن مجید کے ساتھ عشق و شغف، اس کے ادب و عظمت اس کی تلاوت میں ان کی محویت و استغراق اور اس کی لذت و کیفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس سلسلہ کی ابتدا خود اس ذات قدسی سے کی جاتی ہے جس پر قرآن پاک کا نزول ہوا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے قرآن مجید سناؤ، میں نے کہا، آپ ہی پر نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں؟ فرمایا کہ ہاں! میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں، میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی، جب اس آیت پر پہنچا، "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔" سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور لوگوں پر آپ کو بطور گواہ کے پیش کریں گے" تو مجھے کسی نے ہاتھ لگا کر متوجہ کیا، میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ آیت، "إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ" (المائدہ ع - ۱۵) تو اگر انھیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بھی تو زبردست ہے حکمت والا ہے" پر پوری رات گزار دی اور صبح ہو گئی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ بڑے رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے وقت آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

ابو رافع کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں ہی کی صف ہوتی ہے آپ سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے، جب اس آیت پر پہونچے۔ "إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ" (یوسف ع - ۱۰)

(یعقوب نے کہا، میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں)

حضرت عمرؓ بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنے لگے، آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دور سے سنائی دی۔

ابن عمرؓ کی بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکی کی آواز تین صفوں کے پیچھے سنی۔

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے رات کے ورد میں کبھی کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لئے آتے۔

محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ پوری پوری رات ایک رکعت میں گزار دیتے تھے جس میں پورا قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔

امام احمد اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ حضرت عثمان کہتے تھے کہ تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو، میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گذرے جس میں مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئے حضرت عثمان کی شہادت ہوئی تو جس مصحف میں وہ پڑھا کرتے تھے وہ ان کی کثرت تلاوت سے جا بجا سے شکستہ ہو گیا تھا۔

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے سورۂ یوسف حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھنے سے یاد ہو گئی کیونکہ وہ کثرت سے، فجر کی نماز میں یہ سورہ پڑھتے تھے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص، عبداللہ بن عمر، عبداللہ ابن رواحہ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبدالرحمٰن ابن عوف جیسے صحابہ کبار متعدد تابعین عظام سعید بن جبیر، مالک بن انس، منصور ابن المعتمر کے متعلق رقت و خشوع اور گریہ و بکا کی ایسی ہی روایات حدیث و تاریخ کی کتاب میں آئی ہیں۔

زرارہ ابن اوفی کے متعلق تو یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ وہ جامع مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے، سورۂ مدثر کی یہ آیت جب انھوں نے پڑھی، "فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۝ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۝ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝" (المدثر - ع - ۱)

"پھر جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا نہ کہ آسان"، تو ان کی روح پرواز کر گئی اور وہ گر گئے، بہز ابن حکیم کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو ان کی نعش اٹھا کر گھر لائے۔

خلید نماز پڑھ رہے تھے، جب انھوں نے آیت پڑھی تو اس کو بار بار دہراتے رہے، کسی نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز دی، کہاں تک اس آیت کو دہراتے رہو گے، نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہو گئے۔

ایک صاحب نے آیت پڑھی "ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق" (الانعام - ع - ۸)

"پھر وہ (سب) واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس"

حمزہ حضرت اسماءؓ بنت ابو بکر صدیق کے خادم کہتے ہیں کہ حضرت اسماء نے مجھے بازار بھیجا، اس وقت وہ سورۂ طور کی تلاوت کر رہی تھیں اور آیت "ووقانا عذاب السموم" تک پہونچی تھیں، میں بازار گیا بھی اور واپس بھی آ گیا اور وہ ابھی تک یہی آیت پڑھ رہی تھیں۔

حضرت تمیم داری مقام ابراہیم پر آئے اور سورۂ جاثیہ پڑھنی شروع کی "أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝" (الجاثیہ - ع - ۲)

"کیا جو لوگ برے برے کام کر رہے ہیں اس خیال میں ہیں کہ ہم انھیں ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہی رکھیں سو کیسا برا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں"؛ تو اس کو برابر دہراتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

حضرت سعید بن جبیر رمضان میں امامت کر رہے تھے جب وہ آیت "فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ۝ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝" (المومن ع - ۸)

"جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی ان کو گھسیٹتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے گا پھر یہ آگ میں جھونک دئے جائیں گے"؛ پڑھتے تو بار بار اسی کو دہراتے رہے، ایک رات تہجد میں یہ آیت پڑھی، "وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ" (البقرہ - ع - ۳۸)

"اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے" تو اس کو بیس اوپر بیس مرتبہ دہرایا، وہ رات کو اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھوں پر اثر پڑ گیا۔

حضرت مسروق (تلمیذ حضرت ابن عباسؓ) بعض دن عشاء سے لے کر فجر تک سورۂ رعد ہی پڑھتے رہے۔

ہارون ابن ایاب اسدی کبھی تہجد میں پوری آیت "يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝" (الانعام - ع - ۳)

"کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دئے جائیں تو ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں"؛ پڑھنے میں گذار دیتے اور روتے رہتے۔

حضرت حسن بصری نے ایک پوری رات "إِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا" کی تکرار اور ورد میں گزار دی اور صبح ہو گئی، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اس میں بڑی عبرت اور موعظت ہے ہم جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو کسی نہ کسی اللہ کی نعمت کا نزول ہوتا ہے اور جو ہم نہیں جانتے اس کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔

امام ابو حنیفہ نے ایک مرتبہ تہجد میں یہ آیت پڑھی، "بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ ۝ (القمر - ع ۳) "لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت (کے دن) کا ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے۔" وہ برابر اسی آیت کو دہراتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

یہ سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتا رہا اور امت کا کلام الٰہی سے عشق و شغف تسلسل کے ساتھ اور قرآن مجید کا فیض اور اس کی تاثیر بغیر کسی انقطاع اور وقفہ کے جاری رہی، تاریخ و سیر کی کتابوں نے ہر دور کے علمائے راسخین، معلمین و مصلحین اور محققین و عارفین کے قرآن مجید کے ساتھ عشق و شغف، اس کی تلاوت میں محویت و استغراق اور اس میں ان کی حلاوت و لذت کے واقعات محفوظ کر دیے ہیں، یہاں پر چند اکابر امت کے واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

مشہور مصنف و محدث، مورخ و ناقد علامہ ابن جوزی ہر ہفتہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کو قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا۔ کبھی کبھی اپنے برج میں پہرہ داروں سے دو دو، تین تین چار چار پارے سن لیتے تھے بڑے خاشع و خاضع اور رقیق القلب انسان تھے، قرآن مجید سن کر اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ۷ شعبان ۷۲۶ھ کو نظر بند کیے گئے، جہاں انھوں نے ۲۲ ذی القعدہ ۷۲۸ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔ اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ اور ورد تلاوت قرآن تھا، وہ اس مجلس میں تقریباً دو سال چار ماہ رہے اس مختصر مدت میں انھوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیہ کے ساتھ قرآن مجید کے اسّی دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا، اور سورہ قمر کی اس آیت پر پہنچے، "إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر - ع ۳)

"جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک۔" تو بجائے اپنے بھائی زین الدین کے عبداللہ ابن محب اور عبداللہ الزرعی کے ساتھ دور شروع کیا یہ دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے، امام ابن تیمیہ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی، یہ دور ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے

ان اکابر اسلام کے ماسوا جن کی زبان عربی تھی اور جن کا رات دن کا وظیفہ علوم اسلامیہ کی خدمت اور ان کے بحر کی غواصی تھی، عجمی نژاد مشائخ و صلحائے امت کا بھی شغف بالقرآن، ذوق تلاوت حفظ کا اہتمام اور قرآن مجید میں محویت و استغراق کے واقعات کچھ کم شوق انگیز سبق آموز اور عبرت خیز نہیں، صدہا واقعات میں سے یہاں چند نقل کیے جاتے ہیں۔

یہ واقعات متقدمین مشائخ تک محدود نہیں، اس کا سلسلہ معاصرین تک جاری ہے۔

آٹھویں صدی کے مشہور بزرگ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا (متوفی ۷۲۵ھ) کو قرآن مجید کا خصوصی ذوق تھا، اس کے حفظ کے اہتمام و تلاوت کی کثرت کی تاکید فرماتے تھے۔

امیر حسن علاء سنجری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر و شاعری زندگی بھر کا شغلہ تھا، حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں امیر فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ "بارہا ان مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہئے کہ قرآن مجید کا پڑھنا شعر کہنے پر غالب آ جائے۔"

خواجہ محمد (ابن مولانا بدر الدین اسحاق) بڑے اچھے حافظ خوش الحان تھے، ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا ان کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (متوفی ۷۸۲ھ) کو بھی قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سننے کا خاص ذوق تھا، ان کے تربیت یافتہ شیخ زین بدر عربی ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آ کر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی، آپ نے فرمایا، پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو، حاضرین نے عرض کیا کہ ابھی بہت چھوٹا ہے سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا، میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہے تو انھوں نے اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی۔ سید ظہیر الدین نے بھی جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضہ ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ، قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورۂ فتح کی آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ سے پڑھنی شروع کیں، حضرت مخدوم تکیہ کے سہارے آرام فرما رہے تھے، اٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے مطابق باادب دو زانو بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن سننے لگے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ) کے حالات میں آتا ہے کہ تلاوت کے وقت چہرہ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے نماز اور بیرون نماز میں خوف کی آیات پڑھتے یا جن آیات میں تعجب و استفہام آتا ہے اس کا انداز و لہجہ پیدا ہو جاتا رمضان میں تین سے کم ختم نہ کرتے، خود حافظ قرآن تھے اس لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہے۔

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (متوفی ۱۳۱۳ھ) ایک روز تلاوت قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہو گئی مولوی سید تجمل حسین صاحب سے فرمایا کہ "جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آ وے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو، کپڑے پھاڑ کر جنگل نکل جاؤ۔" آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے۔

مولانا سید محمد علی صاحب نے فرمایا کہ میں نے ابتدا میں حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو جو مزہ شعر میں آتا ہے، قرآن شریف میں نہیں آتا، آپ نے فرمایا کہ ابھی بعد ہے قرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے کسی میں نہیں۔

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ "قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آ کر بیٹھ جاتے ہیں" ایک روز آپ نے فرمایا کہ نسبت قرآن کی غایت سلوک ہے۔

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا، قرآن شریف کا ترجمہ ہوا، رکوع یہ تھا "وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِبْرٰهِيْمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ (مریم - ع ۳) "اور آپ (اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔" اس کا ترجمہ فرمایا، بعد اس کے وہ آیت پڑھی گئی جو حضرت اسمٰعیل کے بیان میں ہے۔

"وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

(مریم - ع ۴)

"وہ اپنے پروردگار کے پاس پسندیدہ تھے۔" ترجمہ فرمایا "کہ تھا اپنے رب کا پیارا" یہ فرما کر چیخ ماری اور آپ پر گویا کیفیت مدہوشی کی طاری رہی اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے۔

ایک مرتبہ جب اس آیت کا ترجمہ پیش ہوا۔

"أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (مائدہ ع ۱۶)

"اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ "خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنا لو۔"

یعنی حضرت عیسیٰ کو حکم ہو گا کہ کیا تم نے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ ہم کو اور ہماری ماں کو خدا سمجھیں اور خدا کو خدا نہ سمجھیں، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گھبرا کر یہ فرمانا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ یعنی غفور الرحیم کا موقع تھا مگر العزیز الحکیم فرمایا، اس وقت واقعۂ قیامت گویا سامنے ہو گیا اور کیفیت مصیبت قیامت کی سب پر طاری ہو گئی۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ زیادہ حضرت نے اس آیت سے اس آیت "وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا" پر چیخ ماری کہ سب کو پل صراط سے ایک روز اترنا ہو گا۔ غرض ہر چیز کا بیان یہاں مجلس میں ہوتا تھا، پہلے آپ پر کیفیت آتی تھی اس کے بعد بطور عکس موافق استعداد ہر شخص پر طاری ہوتی تھی۔

اپنے وقت کے مشہور شیخ مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (متوفی ۱۹۱۹ء - ۱۳۳۷ھ) کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں نے حضرت کو قرآن مجید پڑھتے دیکھا تہجد میں طویل تلاوت فرماتے تھے، کبھی رو رہے ہیں، جب عذاب کا ذکر آتا تو رو رو کر

(بقیہ صلا پر)

کامیاب علماء

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرب علمائے آخرت ہیں جن کی چند علامتیں ہیں۔

(۱) اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو۔ عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت کا، اسکے کمینہ پن کا، اسکے مکدر ہونے کا اسکے جلد ختم ہو جانے کا اس کو احساس ہو آخرت کی عظمت، اسکا ہمیشہ رہنا اس کی نعمتوں کی عمدگی کا احساس ہو۔ اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ دنیا اور آخرت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دو سوکنوں کی طرح ہیں جونسی ایک کو راضی کرے گا دوسری خفا ہو جائے گی یہ دونوں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح سے ہیں جونسا پلڑا جھکے گا دوسرا ہلکا ہو جائے گا دونوں میں مشرق مغرب کا فرق ہے جونسے ایک سے تو قریب ہو گا دوسرے سے دور ہو جائے گا جو شخص دنیا کی حقارت کا اسکے گدے پن کا اور اس بات کا احساس نہیں کرتا کہ دنیا کی لذتیں دونوں جہاں کی تکلیفوں کے ساتھ منضم ہیں وہ فاسد العقل ہے مشاہدہ اور تجربہ ان باتوں کا شاہد ہے کہ دنیا کی لذتوں میں دنیا کی بھی تکلیف ہے اور آخرت کی تکلیف تو ہے ہی۔ پس جس شخص کو عقل ہی نہیں وہ عالم کیسے ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو شخص آخرت کی بڑائی اور اسکے ہمیشہ رہنے کو بھی نہیں جانتا ہے وہ تو کافر ہے ایسا شخص کیسے عالم ہو سکتا ہے جس کو ایمان بھی نصیب نہ ہو؟ اور جو شخص دنیا اور آخرت کا ایک دوسرے کی ضد ہونے کو نہیں جانتا اور دونوں کے درمیان جمع کرنے کی طمع پر ہے وہ ایسی چیز میں طمع کر رہا ہے جو طمع کرنے کی چیز نہیں ہے۔ وہ شخص تمام انبیاء کی شریعت سے ناواقف ہے اور جو شخص ان سب چیزوں کو جاننے کے باوجود دنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ شیطان کا قیدی ہے جس کو شہوتوں نے ہلاک کر رکھا ہے اور بدبختی اس پر غالب ہے۔ جس کی یہ حالت ہو وہ علماء میں کیسے شمار ہو گا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو عالم دنیا کی خواہش کو میری محبت پر ترجیح دیتا ہے اس کے ساتھ ادنیٰ سے ادنیٰ معاملہ میں یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات کی لذت سے اس کو محروم کر دیتا ہوں (کہ میری یاد میں میری دعا میں اس کو لذت نہیں آتی) اے داؤد ایسے عالم کا حال نہ پوچھ جس کو دنیا کا نشہ سوار ہو کہ میری محبت سے تجھ کو دور کر دے ایسے لوگ ڈاکو ہیں۔ اے داؤد جب تو کسی کو میرا طالب دیکھے تو اس کا خادم بن جا اے داؤد جو شخص بھاگ کر میری طرف آتا ہے میں اس کو جہبذ (حاذق سمجھدار) لکھ دیتا ہوں اور جس کو جہبذ لکھ دیتا ہوں اسکو عذاب نہیں کرتا ہوں۔ یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو ان کی رونق جاتی رہتی ہے۔ سعید بن المسیب کہتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ امراء کے یہاں پڑا رہتا ہے تو اس کو چور سمجھو۔ اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو اپنے دین کے بارے میں اسکو متہم سمجھو۔ اس لئے جس شخص کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی میں گھسا کرتا ہے ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ جس کو گناہ میں لذت آتی ہو وہ اللہ کا عارف ہو سکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اسمیں ذرا تردد نہیں کہ جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ عارف نہیں ہو سکتا اور گناہ کرنے کا درجہ تو اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ صرف مال کی محبت نہ ہونے سے آخرت کا عالم نہیں ہوتا جاہ کا درجہ اور اسکا نقصان مال سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

یعنی جتنی وعیدیں اوپر دنیا کے ترجیح دینے کی اور اسکی طلب کی گذری ہیں ان میں صرف مال کمانا ہی داخل نہیں بلکہ جاہ کی طلب کی بہ نسبت زیادہ داخل ہے اسلئے کہ جاہ طلبی کا نقصان اور اس کی مضرت مال طلبی سے بھی زیادہ سخت ہے۔

(۲) دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول و فعل میں تعارض نہ ہو دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (بقرہ ع ۵) کیا غضب ہے کہ دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صف ع ۱) اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حاتم اصم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ حسرت والا کوئی نہ ہو گا جس کی وجہ سے دوسروں نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا وہ تو کامیاب ہو گئے اور وہ خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناکام رہا۔ ابن سماک کہتے ہیں کتنے شخص ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ کو بھولتے ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ سے دور ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ سے بھاگتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم کہتے ہیں کہ مجھ سے دس صحابہ کرام نے یہ مضمون بیان کیا کہ ہم لوگ قبا کی مسجد میں بیٹھے ہوئے علم حاصل کر رہے تھے حضور تشریف لائے اور فرمایا کہ جتنا چاہے علم حاصل کر لو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اجر بغیر عمل کے نہیں ملتا۔

(۳) تیسری علامت یہ ہے کہ ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنے والے ہوں نیک کام میں رغبت پیدا کرنے والے ہوں ایسے علوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں ہے یا نفع کم ہے۔ ہم لوگ اپنی نادانی سے ان کو بھی علم کہتے ہیں جن سے صرف دنیا کمانا مقصود ہو۔ حالانکہ وہ جہل مرکب ہے کہ ایسا شخص اپنے کو پڑھا لکھا سمجھنے لگتا ہے پھر اس کو دین کے علوم سیکھنے کا اہتمام بھی نہیں رہتا۔ جو شخص کچھ بھی پڑھا ہوا نہ ہو وہ کم سے کم اپنے کو جاہل تو سمجھتا ہے دین کی باتیں معلوم کرنے کی کوشش تو کرتا ہے مگر جو اپنی جہالت کے باوجود اپنے کو عالم سمجھنے لگے وہ بڑے نقصان میں ہے۔

حاتم اصم جو مشہور بزرگ اور حضرت شقیق بلخی کے خاص شاگرد ہیں ان سے ایک مرتبہ حضرت شیخ نے دریافت کیا کہ حاتم کتنے دن سے تم میرے ساتھ ہو؟ انہوں نے عرض کیا ۳۳ تینتیس برس سے فرمانے لگے کہ اتنے دنوں میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا؟ حاتم نے عرض کیا آٹھ مسئلے سیکھے ہیں حضرت شقیق نے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون اتنی طویل مدت میں صرف آٹھ مسئلے سیکھے میری تو عمر ہی تمہارے ساتھ ضائع ہو گئی۔ حاتم نے عرض کیا حضور صرف آٹھ ہی سیکھے ہیں جھوٹ تو بول ہی نہیں سکتا۔ حضرت شقیق نے فرمایا اچھا بتاؤ وہ آٹھ مسئلے کیا ہیں؟ حاتم نے عرض کیا۔

(الف) میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کو کسی نہ کسی سے محبت ہے (بیوی سے، اولاد سے، مال سے، احباب وغیرہ سے) لیکن میں نے دیکھا کہ جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اسکا محبوب اس سے جدا ہو جاتا ہے۔ اسلئے میں نے نیکیوں سے محبت کر لی تاکہ جب میں قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی ساتھ جائے اور مرنے کے بعد بھی مجھ سے جدا نہ ہو۔ حضرت شقیق نے فرمایا بہت اچھا کیا۔

(ب) میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن پاک میں دیکھا وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ الآیۃ (والنازعات ع ۲) اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے (آخرت میں) کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا اور نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہو گا تو جنت اسکا ٹھکانا ہو گا۔ میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد حق ہے میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔

(ج) میں نے دنیا کو دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے۔ بہت محبوب ہوتی ہے وہ اسکو اٹھا کر بڑی احتیاط سے رکھتا ہے، اسکی حفاظت کرتا ہے۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (نحل ع ۱۳) جو کچھ تمہارے پاس دنیا میں ہے وہ ختم ہو جائے گا، (خواہ وہ جاتا رہے یا تم مر جاؤ ہر حال میں وہ ختم ہو گا) اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ اس آیت شریفہ کی وجہ سے جو چیز بھی میرے پاس ایسی ہوئی جس کی مجھے وقعت زیادہ ہوئی وہ پسند زیادہ آئی، وہ میں نے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیج دی تاکہ ہمیشہ کے لئے محفوظ رہے

(د) میں نے ساری دنیا کو دیکھا کوئی شخص مال کی طرف (اپنی عزت اور بڑائی میں) لوٹتا ہے کوئی حسب کی شرافت کی طرف کوئی اور فخر کی چیزوں کی طرف یعنی ان چیزوں کے ذریعہ سے اپنے اندر بڑائی پیدا کرتا ہے اور اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد دیکھا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ (حجرات ع ۲) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اس لئے میں نے تقویٰ اختیار کر لیا تاکہ اللہ

اللہ جل شانہ کے نزدیک شریف بن جاؤں
(۵) میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں، عیب جوئی کرتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں اور یہ سب کا سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر حسد آتا ہے میں نے اللہ جل شانہ کا ارشاد دیکھا نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ الآیۃ (زخرف ۱۲۶) دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے ہی تقسیم کر رکھی ہے اور (اس تقسیم میں) ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تاکہ (اس کی وجہ سے) ایک دوسرے سے کام لیتا رہے (سب کے سب برابر ایک ہی نمونہ کے بن جائیں تو پھر کوئی کسی کا کام کیوں کرے کیوں نوکری کرے اور اس سے دنیا کا نظام خراب ہو جائے گا) میں نے اس آیت شریفہ کی وجہ سے حسد کرنا چھوڑ دیا۔ ساری مخلوق سے بے تعلق ہو گیا اور میں نے جان لیا کہ روزی کا بانٹنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے وہ جس کے حصہ میں جتنا چاہے لگائے اسلئے لوگوں کی عداوت چھوڑ دی اور یہ سمجھ لیا کہ کسی کے پاس مال زیادہ یا کم ہونے میں ان کے فعل کو زیادہ دخل نہیں ہے۔ یہ تو مالک الملک کی طرف سے ہے۔ اسی لئے اب کسی پر غصہ بھی نہیں آتا۔

(۶) میں نے دنیا میں دیکھا کہ تقریباً ہر شخص کی کسی نہ کسی سے لڑائی ہے کسی نہ کسی سے دشمنی ہے میں نے غور کیا تو دیکھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (فاطر ۶) شیطان بے شبہ تمہارا دشمن ہے پس اس کے ساتھ دشمنی ہی رکھو (اس کو دوست نہ بناؤ) پس میں نے اپنی دشمنی کیلئے اسی کو چن لیا اور اس سے دور رہنے کی انتہائی کوشش کرتا ہوں اسلئے کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے اسکے دشمن ہونے کو فرما دیا تو میں نے اسکے علاوہ سے اپنی دشمنی ہٹالی۔

(۷) میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق روٹی کی طلب میں لگ رہی ہے اسی کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے پھر میں نے دیکھا تو اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ھود ع ۱) اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پس میں نے اپنے اوقات ان چیزوں میں مشغول کر لئے جو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لازم تھیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے ذمہ تھی اس سے اپنے اوقات کو فارغ کر لیا۔

(۸) میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی خاص ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دستکاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے کوئی اپنے بدن کی صحت اور قوت پر کہ جب چاہے جس طرح چاہئے کمالوں گا) اور ساری مخلوق ایسی چیزوں پر اعتماد کئے ہوئے ہے جو انکی طرح خود مخلوق ہیں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (طلاق ۱۶) جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے، اسلئے میں نے بس اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔ حضرت شفیقؒ نے فرمایا کہ حاتم تمہیں حق تعالیٰ شانہ توفیق عطا فرمائے میں نے توراۃ، انجیل زبور اور قرآن عظیم کے علوم کو دیکھا میں نے سارے خیر کے کام ان ہی آٹھ مسائل کے اندر پائے پس جو ان آٹھوں پر عمل کرے اس نے اللہ تعالیٰ شانہ کی چاروں کتابوں کے مضامین پر عمل کر لیا اس قسم کے علوم کو علمائے آخرت ہی پا سکتے ہیں اور دنیادار عالم تو مال اور جاہ کے ہی حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

(۴) چوتھی علامت آخرت کے علماء کی یہ ہے کہ کھانے پینے کی اور لباس کی عمدگیوں اور بہتریوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ بلکہ ان چیزوں میں درمیانی رفتار اختیار کرے اور بزرگوں کے طرز کو اختیار کرے ان چیزوں میں جتنا کمی کی طرف اس کا میلان بڑھے گا اللہ تعالیٰ شانہ سے اتنا ہی اسکا قرب بڑھتا جائے گا اور علمائے آخرت میں اتنا ہی اسکا درجہ بلند ہوتا جائے گا۔

سنکیانگ میں عربی رسم خط بحال کر دیا گیا

پیکنگ ۱۰ ستمبر (د ا پ پ) چین کے صوبہ سنکیانگ میں بولی جانے والی زبانوں کو عربی رسم الخط میں لکھنے کی اجازت دیدی گئی ہے اس کا فیصلہ سنکیانگ اور ادولیغور کے خود مختار علاقے کی عوامی کانگریس کے مجلس قائمہ نے کیا ہے یوں تو چین کے آئین میں اقلیتوں کے مذہب، ثقافت اور روایات کو برقرار رکھنے کی ضمانت دی گئی ہے لیکن ۱۹۷۶ء میں اس علاقے کے لئے لاطینی رسم الخط رائج کیا گیا تھا اور ۱۹۷۶ء میں عربی رسم الخط کے استعمال پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی تھی اس علاقے کی اکثریت کی بولیوں پر عربی اور فارسی کے زبردست اثرات موجود ہیں۔ اس علاقے میں اسلام کی اشاعت کے ساتھ ہی تبالی نے عربی رسم الخط اپنا لیا تھا لاطینی رسم الخط بھی برقرار رہے گا۔

انجمن تعلیمات دین ضلع رائے بریلی کی سرگرمیاں

۳ اکتوبر انجمن تعلیمات دین ضلع رائے بریلی کے اہتمام میں ۱۰ بجے دن کے وقت شبلی انٹر کالج رائے بریلی کے وسیع ہال میں ضلع کے مکاتب اسلامیہ کے نمائندوں کا جلسہ حاجی نثار احمد صاحب نائب صدر انجمن کی صدارت اور مولانا محمود الحسن صاحب ناظم دینی تعلیمی کونسل کی رہنمائی میں ہوا مکاتب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مکتب کے تعلیمی و انتظامی اور مالی حالات اور اپنی دشواریاں بتائیں اور ان کے حل کے لئے اپنی تجویزیں پیش کیں ۲ ½ بجے کے وقفہ ضلع انجمن کی مجلس انتظامی کا جلسہ حاجی عبد الوحید صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ضلع میں انجمن کے کام کو وسیع اور زیادہ منظم کرنے اور مکاتب کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے کچھ تجویزیں پاس کی گئیں حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی قائم کی گئی جو دوروں کا پروگرام مرتب کرے گی

۱۔ مولوی محمد شرافت خاں صاحب ۲۔ ڈاکٹر محمد ضمیر حسن صاحب جنرل سکریٹری ضلع انجمن ۳۔ ڈاکٹر حبیب احمد خاں صاحب ۴۔ شفیق الرحمن صاحب خازن ضلع انجمن ۵۔ حبیب الرحمن قریشی ۶۔ محمد اختر خاں صاحب ایڈوکیٹ ۷۔ حاجی عبد الوحید صاحب

یہ بھی طے پایا کہ ایک مزید آرگنائزر کا تقرر فوری طور پر کر لیا جائے۔ یہ بھی طے ہوا کہ فروری ۱۹۸۳ء کے آخر ہفتے میں ضلع دینی تعلیمی کانفرنس کی جائے۔ تاریخ کا تعین کونسل کے ناظم فرمائیں گے۔ رات میں بعد مغرب عام جلسہ ہوا جس کی صدارت مولوی سید محمد مسلم صاحب حسنی نے فرمائی پہلے مولانا محمود الحسن صاحب نے تقریر کی اور تجاویز سے جلسے کو آگاہ کیا آخر میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی صدر دینی تعلیمی کونسل نے جلسے کو ایک گھنٹہ خطاب فرمایا اور دعا پر جلسے کو ختم فرمایا

محمد ضمیر حسن

قربانی کے بعد

محمد الحسنی

ذی الحجہ کا یہ مبارک مہینہ جو گذر رہا ہے اپنے اندر ایک خاص پیغام رکھتا ہے۔ اس میں ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے جو ہمیں رمضان کو چھوڑ کر اور دوسرے مہینوں میں نظر نہیں آتی، اس کے پیچھے ایک خاص تاریخ ہے، منفرد اور اپنے رنگ میں مخصوص واقعات ہیں، یہ تاریخیں وہ ہیں جن میں لاکھوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکنیں ایک خاص وقت، خاص جگہ اور مخصوص شعائر و ارکان اور ہیئت وصورت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ ان تمام کیفیات کو ہم اگر ایک منفرد لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو اس کو "قربانی" کے وسیع و عمیق لفظ سے ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ قربانی کس چیز کی ہے اور کس کے لئے؟

بدقسمتی سے آج "قربانی" کو صرف بکرے اور دنبہ کی قربانی کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے، گویا چند روپے خرچ کر کے ہم قربانی دینے والوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ہمیں کسی قربانی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہ قربانی بھی بہت ضروری اور قابل احترام ہے۔ لیکن اس کے بعد یا اس کے ساتھ ایک اور قربانی ہے جو اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ کئی سال ہوئے میں نے اپنے ایک مضمون میں عرض کیا تھا کہ آج مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کا مطلب صرف یہ سمجھ لیا ہے کہ ہر سال حج کر آیا کرو، ولیمہ اور عقیقہ کی شاندار دعوت کر دیا کرو اور بقر عید میں کسی جانور کی قربانی کر لیا کرو، اور اس کے بعد سال بھر چین کی بانسری بجایا کرو، بدقسمتی سے کچھ لوگوں نے اسمیں کچھ اور حرام چیزیں شامل کر لی ہیں اور اسمیں اس فرحت کے فلسفہ کے ساتھ لذت اور تفریح طبع کی بھی آمیزش ہے۔ وہ قبروں پر چادر چڑھاتے ہیں، عرس و قوالی سے لطف اندوز ہوتے ہیں بزرگوں کی قبروں پر میلے لگاتے ہیں، اور گناہ بخشوا کر اور سال بھر کے لئے جنت کی ضمانت لے کر واپس آجاتے ہیں۔

جو لوگ ان بدعتوں سے محفوظ اور ان برائیوں سے دور ہیں، وہ کسی مدرسہ کو چندہ دے کر کوئی سبیل لگوا کر، کسی مسجد میں حافظ کا انتظام کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے لئے جو کچھ قربانی کرنی تھی کر چکے، اب ان کو کسی چیز کی قربانی کی ضرورت نہیں، اس کے بعد ہمیں شکایت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں آتی اور مسلمانوں کی مدد نہیں ہوتی، یاد رکھئے کہ مدد کا وعدہ بکرے کی قربانی کے ساتھ نہیں بلکہ عادات کی قربانی اور خواہش کی قربانی کے ساتھ مشروط ہے لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔

اللہ تعالیٰ کو کچے یا بھنے ہوئے گوشت، لانبے چوڑے دسترخوانوں اور خوشبودار غذاؤں کی طلب نہیں ہے اور یہ چیزیں اس کے پاس نہیں پہنچتیں، اس کے پاس دل کا ادب و لحاظ، خدا کا خوف اور خدا کی محبت اور خدا کے لئے نفس و مال کی قربانی پہنچتی ہے اور اسی میں اس کی رحمت کو متوجہ کرنے کی طاقت ہے

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہمارے لئے صبح سے شام تک دفتروں میں سر کھپانا، رات رات بھر سرکاری ڈیوٹی انجام دینا اور اپنے کاروبار اور اپنے بزنس کی ترقی کے لئے ہر مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا اور ہر تکلیف گوارا کرنا آسان ہے لیکن صبح کے وقت اپنا بستر چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھنا مشکل ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ پان، سگریٹ، چائے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو ہمیں اذیت ہونے لگتی ہے ہماری پیشانی پر شکنیں پڑ جاتی ہیں اور اگر کسی وقت کی نماز قضا ہو جائے، کسی کی حق تلفی ہو جائے، کوئی ناجائز کام ہم سے سرزد ہو جائے تو ہمیں احساس تک نہیں ہوتا؟

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اپنی ایک ادنیٰ خواہش اور طبعی تقاضہ پر ہم جتنا روپیہ چاہتے ہیں صرف کر دیتے ہیں۔ اپنے موڈ اور Mood کی تسکین کے لئے ہر قسم کی فضول خرچی کر گزرتے ہیں۔ اور کسی صحیح مصرف اور ضرورت پر جس کا تعلق آخرت کے ثواب اور خدا کے وعدہ پر ہو چند آنے خرچ کر کے ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے سارے گناہوں کی تلافی کر دی،

یہ چند حقائق ہیں، غور سے دیکھا جائیگا تو نظر آئے گا کہ ہماری ساری زندگی اس قسم کے نمونوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی بری عادتوں کی اصلاح اور اپنی خواہشات کی بندش کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی اور قربانی کی اس غلط روش پر چلتے رہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے آدمی اپنے ارادہ، اپنی خواہش، اپنی عادت اور اپنے مزاج کے گلے پر چھری پھیرے، اپنے دل کے کہنے پر نہیں خدا اور رسول کے کہنے پر چلنے کا فیصلہ کرے اور اس قسم کے ہر موڑ پر خدا کے ڈر اور آخرت میں جوابدہی کے خیال سے برائی سے اپنا ہاتھ روک لے اور دل پر پتھر رکھ کر اس سے باز رہے، وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

جو کوئی ناجائز آواز خواہ وہ کتنی میٹھی اور رسیلی ہو محض اس لئے نہ سنے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، کسی غلط چیز سے خواہ وہ بار بار اس کے سامنے آئے محض اسی لئے نگاہیں پھیرلے کہ یہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے، جو دوستوں کی محفل، اپنی ساری دلچسپی کے باوجود محض اس لئے اٹھ آئے کہ اس میں غیبت و عیب جوئی ہو رہی ہے، جو اپنے گھر والوں کے غلط اور ناجائز مطالبات ان سے اپنی محبت و تعلق کے باوجود محض اس لئے رد کر دے کہ اس میں احکام شریعت سے سرتابی اور معصیت کا ارتکاب ہے، اپنے والدین، اپنے بھائیوں اور اپنے قریب ترین عزیزوں کے خلاف ان کی مروت اور شرم کے باوجود صاف صاف گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے۔

اس سے کم درجہ یہ ہے کہ جہاں وہ دن رات میں اپنی سیکڑوں خواہشات پوری کرتا ہے اور اپنے نفس کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہر قسم کی قربانی پر آمادہ ہو جاتا ہے وہاں وہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانے، اسکے در رحمت پر دستک دینے اور اس کی نظر کرم کو متوجہ کرنے پر بھی صرف کرے اور اس کے لئے اپنے نفس اور مال اور اپنی خواہش اور عادت کی کبھی تھوڑی بہت قربانی پیش کرے۔

وہ کم از کم بڑے گناہوں سے بچے، غیبت، خیانت، جھوٹ، بدنگاہی اور فرائض میں کوتاہی سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے اور اس راہ میں اگر اس کو اپنے اوقات اور اپنی عادات کی کچھ قربانی کرنی پڑ رہی ہو تو اس سے بالکل دریغ نہ کرے۔

قربانی کی یہ صحیح تصویر ہے جس پر خدا کی نصرت کا وعدہ ہے۔ اس قربانی میں کوئی تقسیم نہیں یہ جانور کی قربانی سے لے کر اپنے نفس کی قربانی تک محیط ہے۔ بلکہ جانوروں کی یہ قربانی دراصل اسی نفس کی قربانی کا عکس، اس کی مثالی تصویر اور اس کا مادی پیکر ہے۔ اور جانور کی قربانی کا کیا ذکر، حضرت اسماعیل جیسی ہستی کی قربانی کا حکم اور اشارہ اسی لئے تھا کہ اس محبت کی قربانی ہو جو ایک چاہنے والے باپ کے دل میں اپنے محبوب فرزند کے لئے موجود ہوتی ہے۔

قربانی کی حقیقت اور اس کی روح (خواہ وہ وقت کی قربانی ہو یا مال کی یا خواہشات کی ہو یا جان کی) یہ ہے کہ آدمی خدا کے ڈر کے سامنے ماحول، سماج اور حکومت کے ڈر سے اور خدا و رسول کی محبت کے سامنے انسانوں کی محبت، دولت کی محبت، جاہ کی محبت اور دوسری تمام محبتوں سے دستبردار ہو جائے،

حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مال، اہل و عیال اور اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو۔

قربانی کا یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر اللہ کے کچھ بندوں نے پوری انسانیت کی قسمت بدل دی تھی اور اپنی حقیقت سمجھ لی تھی، خدا کی نصرت کے حصول کے لئے آج بھی یہی واحد راستہ ہے۔ اور یہی ایسا راستہ ہے جو مسلم و غیر مسلم ہر قسم کی حکومت میں مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے اس لئے اس میں اکثریت و اقلیت اور آزادی و مجبوری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔!!

غزل

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

اس کو اظہار غم سے بھی انکار ہے
شکر ہے دل ابھی اتنا خوددار ہے

روز و شب مستقل محو اذکار ہے
ذہن غافل سہی دل تو بیدار ہے

کون گزرا تصور سے میرے ابھی
از ثریٰ تا ثریا ضیا بار ہے

سب کے چہروں سے معصومیت ہے عیاں
کون کس کو کہے یہ خطاوار ہے

مضطرب دل ہے کیوں اسقدر ان دنوں
کیا کوئی اہل حق پھر سر دار ہے

ہے یقیناً جنوں میں ابھی کچھ کمی
جب تو حائل حجابوں کی دیوار ہے

مجھ کو انگیز کریجئے بزم میں
پہلوئے گل میں بھی دیکھئے خار ہے

اپنے ساقی کی تعریف کیا میں کروں
روشنی کا زبردست مینار ہے

ماسوا چند اشکوں کے کچھ بھی نہیں
یہ متاع طفیلِ گنہگار ہے

"زمین اور آسمان کی پیدائش میں رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں، وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار تو نے یہ سب کچھ فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔"
(قرآن مجید)

قرنِ اوّل میں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے

عبدالرزاق قدورہ دمشقی

خود اپنی ذات اور اپنے گرد و پیش کی دنیا کو سمجھنے کی انسان جو کوشش کرتا ہے اس کا نام سائنس ہے۔ مسلمانوں کا ہمیشہ یہ عقیدہ رہا ہے کہ ان کا دین نہ صرف یہ کہ اس جد و جہد کی نفی نہیں کرتا بلکہ وہ اسے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو واضح ہدایت دیتا ہے اور ان کی کامیابی کے لئے ضروری رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسلام کا حکم یہ ہے کہ حصول علم کی جد و جہد ہمیشہ جاری رکھی جائے۔ ابتدا اس کی سب سے پہلے وحی سے ہوتی ہے۔ آغازِ اسلام کے پہلے یادگاروں سے لیکر اس وقت تک جب کہ مسلمان وقتی طور پر ظاہری اور باطنی برائیوں میں مبتلا ہوئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مسلمان سائنس اور ٹکنالوجی میں پیش پیش نہ رہے ہوں۔ فی الوقت یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم ان کے عظیم کارناموں کو کماحقہٗ بیان کر سکیں، یہاں صرف ریاضی، طبیعیات، طب اور کیمیا کے میدانوں میں ان کے نصب کردہ سنگ ہائے میل میں سے ایک دو پر روشنی ڈالی جائے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ کبھی کوئی بڑی سائنسی پیش رفت کسی ایک فرد واحد یا کسی ایک ثقافت کی مرہون منت نہیں ہوتی۔ سائنس اور ٹکنالوجی دنیا کے مختلف حصوں کے مردوں اور عورتوں کی نسلاً بعد نسل مسلسل کوشش کا ثمرہ ہیں اور اس طرح یہ حقیقتاً تمام نوع انسان کا مشترکہ ورثہ کہی جا سکتی ہیں۔ تاریخ کے ایک عظیم سائنسداں نیوٹن نے اس حقیقت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ یہ کہہ کر واضح کیا ہے کہ وہ اپنے پیشروؤں سے زیادہ آگے صرف اسی لئے دیکھ سکا کہ اس نے ان عظیم انسانوں کے کاندھوں پر چڑھ کر مشاہدہ کیا۔ اس بات کے علاوہ نیز اہل بابل، ہندوستانی اور یونانیوں کو پورا پورا خراج عقیدت ادا کرنے کے استفادہ کیا گیا، یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے نظام اعداد و شمار کی موجودہ اساس کی ہم تک منتقلی بھی مسلمانوں کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ ان اعداد کو آج تک عربی اعداد ہی کہا جاتا ہے اور یہی اصطلاح اب بھی عالمگیر طور پر مستعمل ہے۔

زمانۂ حال کی اصطلاحات میں مسلمانوں کے علم ریاضی کے کئی اور واضح آثار بھی ملتے ہیں ان میں سے ایک لفظ "الجبرا" ہے جس کا مخرج عربی کا لفظ "الجبر" ہے جس کا مطلب کسی نامکمل شئے کو بحال یا مکمل کرنا ہے۔ اس میدان میں جو کام پہلے ہو چکا تھا مسلمانوں نے اسے ترقی دے کر پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

اس میدان میں سب سے بڑا کام محمد ابن موسیٰ الخوارزمی نے کیا ہے جس کا عظیم مسلمان ریاضی دانوں میں شمار ہوتا ہے بلکہ اگر اسے عظیم ترین کہا جائے تو بجا ہوگا۔ ریاضی کا جدید تصور "الگوارزم" اس کے نام الخوارزم سے مشتق ہے۔ چنانچہ اس اصطلاح کی بدولت اس کا نام آج بھی زندہ ہے۔ اس کی تصنیف "کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ" کے لاطینی ترجمے کے ذریعہ سے الجبرا یورپ میں متعارف ہوا۔ نامعلوم کے لئے علامت "x" عربی لفظ "شے" (یعنی چیز) سے ماخوذ ہے۔ مسلمانوں ہی نے پہلے پہل اسے الجبر کی کتابوں میں استعمال کیا تھا، جو اس علم کے بنیادی عمل کا مظہر ہے۔ اصلاً عربی کے لفظ "جیب" کا براہ راست ترجمہ ہے مثلثیات کی کئی اساسی نسبتوں کو مسلم ریاضی دانوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا۔

یونانیوں کے نتائج فکر بالخصوص اقلیدس سے متعلق نتائج کو بنیاد بنا کر مسلمانوں نے علم ہندسہ (جیومیٹری) میں خاصا اضافہ کیا۔ اس میدان میں بہت نمایاں مسلمان محققین میں سے ایک عمر الخیام تھا، حالانکہ موجودہ زمانے میں بہ حیثیت شاعر ان کی شہرت نے ان کے دیگر کمالات پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ علم ہندسہ میں دوسری عظیم شخصیت نصیر الدین الطوسی کی ہے جس نے اقلیدس کی مبادیات کی شرح لکھی تھی۔

تقریباً تمام معروف مسلم فلاسفہ کی طرح الطوسی نے اپنی تصانیف کا ایک حصہ طبیعی فلسفے کے لئے وقف کیا تھا جو اس کے زمانے میں طبیعیات نیز زندگی اور زمین سے تعلق رکھنے والے علوم پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ مسلمان فلاسفہ کی تحریروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ (تخلیق خداوندی سے متعلق تکریم و تقدیس کی عکاسی کرنے والے) اساسی نظریاتی اصولوں اور (مخلوقِ خدا کی ضروریات پورا کرنے کے) علمی طریق کار کے بارے میں بہت حساس ہوتے ہیں۔ ارسطا طالیسی طبیعی فلسفے (طبیعیات) کے عمیق مطالعے سے ابتدا کرنے کے بعد مسلم سائنسدانوں نے اس موضوع کی اساس کا مکمل جائزہ لیا۔ ممتاز مسلمان طبیعیات داں البیرونی اور عظیم ابن سینا کے درمیان ہونے والی طویل خط و کتابت ایک ایسا رفیع الشان فکری کارنامہ ہے جس میں آج کے تمام طبیعیاتی تصورات کا محتاط تجزیہ موجود ہے۔ یہ خط و کتابت میکانیاتِ قدریہ کے موضوع پر آئین اسٹائن اور بوہر کے درمیان خط و کتابت کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔

بصریات کی سائنس کی بنیاد ابن الہیثم کے ہاتھوں سے پڑی تھی۔ ابن الہیثم کو بجا طور پر ابوالبصریات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کی تصنیف "کتاب المناظر" جس کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا تھا، قرون وسطیٰ سے تعلق رکھنے والی اپنی قسم کی اہم ترین کتاب تصور کیجاتی ہے۔

ابن الہیثم کے متعدد کارناموں میں سے چند یہ ہیں۔ کرۂ ہوا کے مظاہر کا مطالعہ، شلجمی اور مدور آئینوں کے بصری انحرافات (انہی کے تعلق سے مشہور مسئلہ ابن الہیثم اس کے نام سے منسوب ہوا جس کے حل کے لئے درجۂ چہارم کی مساوات درکار ہوتی ہے جس کو ابن الہیثم نے ہندسی طریقوں سے حل کیا تھا) اور روشنی کے مختصر ترین راستے کے اصول کا اولین نظریہ جو بعد میں فرمیٹ (FERMET) کے ذریعہ سے پایۂ تکمیل تک پہنچا اور اسی کے نام سے موسوم ہوا۔ ابن الہیثم نے انعطافِ نور کے مطالعے کے ضمن میں بھی بنیادی کام کیا تھا اور تقریباً اسی قسم کا قانون مرتب کیا تھا جس کو بعد میں اسنل (SNELL) اور ڈیکارٹ (DESCARTES) نے ثابت کیا۔

یہ بات اہمیت کی حامل ہے کہ ابن الہیثم بیک وقت ایک ایسا ماہر تجربہ کرنے والا تھا جو خود اپنے ہاتھوں سے ساز و سامان تیار کرتا تھا اور ایسا کامل نظریہ ساز بھی تھا جو اپنے وقت کی جدید ترین ریاضیاتی تکنیکوں سے پوری طرح واقف تھا۔ نظریہ و تجربہ کی اس آمیزش کی بنا پر وہ جدید سائنس کا پیشرو ثابت ہوا۔ برٹرینڈ رسل کے قول کے مطابق جدید سائنس اس وقت وجود میں آئی جب یونانیوں کی نظریاتی تحقیق میں عربی تجربیت ضم ہو گئی۔

ابن الہیثم کی تحقیقات میں ایک ماہر طبیعیات کی ہنرمندی اور ایک طبیب کی مہارت یکجا ہو گئی اس طرح فطری طور پر اس نے انسانی بصارت کا مطالعہ نہایت موثر طریقے سے انجام دیا۔ وہ آنکھ کے مختلف حصوں، ان کے انفرادی افعال اور باہمی تعلقات کو بڑی باریک بینی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ مسلمانوں سے قبل کے محققین میں پہلے سے رائج لمسی (یونانی) کے باطل نظریے کی نفی کرتے ہوئے جس کے مطابق روشنی آنکھ سے خارج ہونے والے ان لامسات کی مرہون منت ہے جن نظر آنے والی اشیاء کا کھوج لگایا جاتا ہے، اس کا یہ دعویٰ صحیح تھا کہ آنکھ تو صرف منور اجسام کی چھوڑی ہوئی روشنی کو اخذ کرتی ہے۔

آنکھ کی حفاظت کے موضوع پر مسلمانوں کی طب میں خصوصی توجہ دی گئی۔ اسلامی معاشرے میں ماہر امراض چشم ایک جانا پہچانا کردار ہوا کرتا تھا۔ کحال (کحل سے بمعنی سرمہ) کے نام سے ایک ہی شخص بیک وقت علاج معالجہ کرتا، آنکھ کے سنگھار کی چیزیں مہیا کرتا ہے اور کبھی بذات خود استعمال بھی کرتا اور بعض اوقات رازداروں صلاح کار کے طور پر خدمات انجام دیتا تھا اگر جدید علم ہمیں یہ سوال کرنے پر اکساتا ہے کہ آیا "آنکھ دماغ کا بیرونی حصہ تو نہیں" تو اس صورت میں واضح رہے کہ ان دونوں کا یہ قریبی تعلق مسلم فن بصریات کا مرکزی حصہ ہوا کرتا ہے۔

عربی زبان ہی نے لاطینی اور لاطینی سے دوسری یورپی زبانوں کو بصریات کی بیشمار اصطلاحات دی ہیں۔ اس موضوع پر نہایت مستند مقالات میں سے ایک "تذکرۃ الکحالین" ہے جس کو مشہور زمانہ علی ابن عیسیٰ نے تحریر کیا تھا جو جراحی میں مخدرات کے استعمال کی تجویز پیش کرنے والا اولین شخص تھا۔ لیکن جب بات طب اسلامی کی چھڑتی تو جو نام بے ساختگی سے ذہن میں بار بار آتا ہے

وہ "رئیس الاطباء" ابو علی ابن سینا کا ہے وہ بچپن ہی میں بھی حیرت انگیز کمالات دکھاتے تھے انھوں نے بہت کم عمری میں قرآن حفظ کر لیا، کئی فنون خود سیکھ لئے۔ ایک با اصول اور متبحر عالم تھے۔ انھوں نے ایسی کتابیں تصنیف کیں جو اسلامی ممالک اور یورپ دونوں جگہ صدیوں تک طب کے بارے میں مستند حوالوں کا کام دیتی رہیں۔ ان کی کتاب "القانون فی الطب" کے نظریہ و عمل میں عدیم المثال اثر کی حامل رہی ہے۔ اس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا، اور قرون وسطیٰ کے آخری دور تک وہ طبی تصانیف میں ممتاز ترین حیثیت کی مالک تھی۔ اس کی اساس عہدِ ابن سینا میں دستیاب اعلیٰ علوم پر رکھی گئی تھی اور خاص طور پر اس میں ابن سینا کے اپنے مشاہدات اور اکتشافات میں بھی شامل تھے جو اس نے امراض متعدیہ (مثلاً جن کا اطلاق تپ دق پر ہوتا ہے) گردن توڑ بخار جس کا سب سے پہلے ذکر انھوں نے کیا، اور نفسیاتی عوارض کے مطالعے کے بعد مرتب کئے۔

مختلف سائنسوں کا یہ اتحاد جو ان انتہائی ممتاز ماہرین کی ہمہ دانی کی صورت میں مجسم ہو گیا تھا، ان کے شاگردوں کو منتقل ہونے کے بعد بھی قائم رہا۔ شفاخانہ دنیائے اسلام کا بڑا امتیازی نشان تھا۔ کئی شفاخانوں کے ساتھ مدرسے منسلک ہوتے تھے جہاں مستقبل کے اطباء کی نظریاتی تربیت کا اہتمام کیا جاتا جب کہ طبابت و جراحت کی عملی تربیت ہسپتالوں میں خدمات کی انجام دہی سے ہوتی تھی۔

شفاخانے اکثر نہایت اعلیٰ معیار کے علمی اور پیشہ ورانہ ادارے ہوا کرتے تھے، خصوصاً اہم شفاخانوں کی حیثیت تو یقیناً یہی ہوتی تھی۔ ان کے ساتھ اپنے معمول کے ساز و سامان کے علاوہ کتب خانے، لکچر ہال، اساتذہ، طلباء اور بیشتر مددگار فنی عملے کے لئے اقامتی مکانات اور بہت سی دوسری سہولتیں وابستہ ہوتی تھیں۔ قانون وقف جس نے مسلم معاشرے میں اہم رول ادا کیا ہے اس بات کا ضامن ہوتا تھا کہ شفاخانے خود کفیل ہوں اور ان کی کفالت کے مسلسل ذرائع موجود ہوں۔

دوسرا عظیم مسلم کیمیا داں محمد ابن زکریا الرازی ہے جو ایک ممتاز طبیب بھی تھا۔ یہی وہ شخصیت ہے جس نے اشیاء کو معدنی، نباتی اور حیوانی اقسام میں تقسیم کرنے کا نظریہ پیش کیا۔ متعدد کیمیاوی اعمال کے مطالعات کے ضمن میں اہم پیشقدمیوں کو ان سے منسوب کیا جاتا ہے جن میں عمل کشید بھی شامل ہے۔

یہ باور کیا جاتا ہے کہ زمین انبیق سے الکحل کشید کر کے اسے طبی مقاصد کے لئے استعمال کرنے والے وہ پہلے شخص ہیں خود لفظ الکحل کا ماخذ عربی ہے اصل لفظ یا تو کحل (یعنی سرمہ) یا ممکن ہے الغول ہو جو قرآن میں بھی آیا ہے اور غالباً اس سے مراد شراب کا قابل اعتراض جزو ہے۔

کوئی شک نہیں کہ اسلامی سائنس کی موجودہ کیفیت اس کے پرشکوہ ماضی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن اس خراب صورت حال کو (خود مسلمانوں کے لئے اور بہ حیثیت مجموعی پوری دنیا کے لئے) اس امر کا باعث نہیں بننا چاہئے کہ فی الوقت دارالاسلام میں سائنس اور ٹکنالوجی کے بارے میں کوئی مبالغہ آمیز ناخوش گوار اندازہ قائم کر لیا جائے اس وقت بھی سب سے پہلے مسلم سائنسدانوں اور انجینئروں کی وہ خاصی تعداد جو سارے ملکوں میں پہلے سے مصروف کار ہے یا زیر تربیت ہے نظر میں رہنی چاہئے۔ یہ بات ہر قسم کے شک و شبہے سے بالا ہے کہ موجودہ اور آنے والی نسل محض اپنی تعداد ہی کے باعث بہت سے ممتاز سائنس داں پیدا کرے گی۔ جن میں سے کچھ تو اس وقت بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اسلامی ممالک اپنی جگہ اس حقیقت سے زیادہ سے زیادہ باخبر ہوتے جا رہے ہیں کہ اسلام میں احیاء العلوم کا انحصار امت کے اندر سائنس اور ٹکنالوجی کے فروغ پر ہے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے۔ "اس امت کے آخری دور کی حفاظت بھی صرف اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کا ابتدائی دور محفوظ ہوا تھا"

لہٰذا مسلم ممالک کا یہ عزم ہے کہ وہ نہ صرف انفرادی طور پر، بلکہ ترجیحاً اجتماعی طور پر اور دنیا کی دوسری تمام قوموں سے اتحاد عمل کے ذریعے سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

بقیہ ص ۶

استغفار کرتے۔ ہاتھ جوڑتے اس طرح جب آیات رحمت کا ذکر آتا تو خوش ہوتے کبھی سکوت طاری ہو جاتا۔

خود حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کا کلام الٰہی میں کیا انداز تھا اس کا کسی قدر اندازہ اس روایت سے ہوگا، جو ایک معتبر خادم نے بیان کی ہے۔

"جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحت اچھی تھی تو رمضان المبارک میں بعد نماز عصر مجلس سے الگ تنہائی میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ ایک صاحب جو وہیں رہا کرتے تھے، بتلاتے ہیں کہ میں ادھر سے گزرا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن پڑھنے کی کیفیت کچھ کھلی اور بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اور دل ہی دل میں بیساختہ یہ دعا کی کہ اے اللہ اس طرح ہر قرآن پڑھنا ہم کو بھی عطا فرما دے رمضان المبارک کے گذرنے کے بعد غالباً حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ آؤ تمھیں بتلائیں قرآن ایسے پڑھا کرو، وہ جو قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے باتیں کرتے اور اس شجر سے سنتے تھے اپنے کو وہی شجر تصور کرو پھر اپنے میں سے قرآن پاک کے نکلتے ہوئے الفاظ کو یوں سمجھو کہ یہ خدائے پاک فرما رہے ہیں اور کانوں سے اسی انداز پر سنو کہ میں اپنے اللہ کا کلام اللہ ہی کی آواز میں سن رہا ہوں اور یہ فرماتے ہوئے یہی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لی اور یہ فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ وہی کیفیت جیسے دل میں اتر گئی۔

بقیہ ص ۳

بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی کیونکہ دونوں ملک تجارت، بینکاری اور دوسرے شعبوں میں ایک دوسرے کے حریف ہیں اور اسرائیل کی کوشش ہے کہ لبنان کا بیرونی دنیا سے رابطے کاٹ دے انھوں نے بتایا کہ اسرائیل نے عرب ملکوں کے درمیان جھگڑوں اور سازشوں کا جال بچھا دیا ہے، مصر جو عربوں کی فتح میں اہم کردار ادا کر سکتا تھا اسرائیل نے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے میں جکڑ کر بے بس کر دیا ہے۔

اب عالم اسلام اور خصوصاً اس علاقے کے سربراہوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس خطرہ کی سنگینی کو محسوس کریں اور اس کے ازالہ کے اسباب و وسائل اختیار کریں۔ اب تک تو مذکورہ بالا ممالک اسرائیل بلکہ سامراجی طاقتوں کے خلاف کوئی کارگر قدم اٹھانے میں ناکام ہے اور نازک سے نازک موقع پر بھی اتحاد و یگانگت کا ثبوت نہ دے سکے، بلکہ اپنی حفاظت کی خاطر میدان سے دور تماشہ دیکھتے رہے۔ اس واقعہ کو ایک موڑ قرار دے کر نئی طاقت و توانائی کے ساتھ میدان میں آسکتے ہیں اور معتصم باللہ جیسی ہمت و جرأت اور بیباکی، عماد الدین زنگی جیسی دور اندیشی اور نور الدین زنگی جیسی منصوبہ بندی اور صلاح الدین ایوبی جیسی قوت عمل، ہمت، بے قراری اور بے چینی کا اظہار کریں تو عالم اسلام کو بیداری مل سکتی ہے، اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہو سکتی ہے، ایک نئی قوت عمل مل سکتی ہے اور اس کو سربلندی حاصل ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سازشوں کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے، ظالم کو ظلم سے روک سکتے ہیں اور اس کو کیفر کردار تک پہنچا سکتے ہیں ہے

جس بندۂ حق بیں کی خودی ہو گئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے برندہ و براق
اس کی نگہ شوخ پہ ہوتی ہے نمودار
ہر ذرہ میں پوشیدہ ہے جو قوت اشراق

خواتین اور طالبات کے پاکیزہ ڈائجسٹ

حجاب رامپور کا

الجھنوں کے گرفتار نمبر

انشاء اللہ اکتوبر ۸۲ء کے آخری ہفتہ میں پوسٹ ہو جائے گا۔ اس کے تمام مضامین چار ابواب میں تقسیم کر کے ترتیب دیے گئے ہیں۔
- باب اول۔ ایمان اور اسلام کے متعلق الجھنوں کا جواب
- باب دوم۔ واقعات، کہانیاں اور آپ بیتیاں
- باب سوم۔ گھریلو الجھنوں کے متعلق الجھنوں کے حل اور مفید مشورے
- باب چہارم۔ ادبی الجھنیں۔ ڈاکٹر احمد سجاد کا اندراک
- صفحات ۲۵۶ آفسٹ کی طباعت۔ قیمت دس روپیہ
- یہ ضخیم نمبر حجاب کے سالانہ خریداروں کو ان کے سالانہ چندہ میں دیا جائے گا۔ ساتھ ہی حجاب کی مطبوعات میں سے -/۲۵ کی کتابیں مفت دی جائیں گی
- سالانہ چندہ -/۵۰ مفت کی کتابوں کے لئے رجسٹری کا خرچ بھیجیں۔

مینجر مکتبہ حجاب رامپور

پردۂ تہذیب میں غارت گری آدم کشی !!!

از مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی
ترجمہ محمد مبین رانچوی

لبنانی بحران، جور و زبردستی، حق تلفی و ناانصافی، عداوت و دشمنی اور جوہر انسانی کے ساتھ نازیبا حرکت ہی نہیں بلکہ ایک متکبرانہ رویہ ہے جو ظلم زیادتی اور نفرت و عداوت سے لیکر کمینگی کے سابق تمام ریکارڈوں کو توڑ کر اس حد تک پہنچ گیا ہے جہاں انسان انسانیت سے ہٹ کر ایک خوفناک و خونخوار بھیڑیا بن جاتا ہے پھر طرح طرح کی مصیبتوں اور قتل عام کے ذریعہ اپنے دل کی آگ بجھا کر سکون حاصل کرتا ہے۔ لہو میں ہاتھ رنگ کر لاشوں سے کھیلنے میں اسے لذت ملتی ہے۔

لبنان کا یہ بحران بیسویں صدی کی تاریخ انسانی ہی کی جبیں پر نہیں بلکہ جس صدی کو ہم فلسفہ، تہذیب، تمدن و ثقافت، سائنسی علوم و فنون، صنعت و حرفت اور ایجاد و اختراع کی صدی کہتے ہیں اور ہر اس چیز کی جبیں پر جو مختلف شعبہ ہائے حیات میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے ایک بدنما داغ ہے جس میں تمدن اور تہذیب و ثقافت کے مدعیوں کے ارادے صاف نظر آنے لگے، ان خونی مجرموں اور سنگدلوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں جنہوں نے ضعیف و ناتواں، عورتوں بچوں، بوڑھوں کے سر قلم کرکے مینارے اور گنبد تعمیر کئے بے گناہوں اور اپنے حقوق کے محافظوں کے خون کی ندیاں بہائیں، پناہ گزینوں کو مرافق حیات یعنی اشیائے لازمہ جیسے روشنی اور پانی سے محروم کردیا کہ وہ بھوکے اور پیاسے دم توڑ دیں۔ آخر یہ قسی القلب اور خونی لوگ کون ہیں ——؟

بےشک یہ وہی ہیں جو ایک طرف عالم کی تہذیب عظیم کے نمائندے کہلاتے ہیں انہیں بہت کچھ جاننے اور متمدن و مہذب ہونے کا زعم ہے جو خود کو اس کا علمبردار کہتے ہیں جو ہیں تو قیام حق اور عدل و انصاف کے دعویدار اور نوع انسانی کو زندہ درگور کرنے کے منصوبے بناتے ہیں بلکہ اسکے خاتمے کے لئے زود اثر ایٹم بم اور نیوٹرون بم ایجاد کرتے ہیں مسلمانوں کی گردنوں ان کی حکومتوں، عبادت گاہوں اور ان کے اداروں پر زہر آلود تیروں کی بوچھار کرتے ہیں مسلمانوں کو ایذا دینے ان کو نیست و نابود کرتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی ایمانی دولت کو دلوں سے نکال دینے کے ذرائع کی فراہمی کے لئے مسلم ممالک میں اپنے جاسوسوں کو متعین کرتے ہیں

آج لبنانی مسلمانوں کی لاشوں پر رقص کرنے والے وہی ہیں جو کل حیوانات کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک سے پیش آنے کے موضوع پر کانفرنس منعقد کر رہے تھے، آج جو لوگ عزت و ناموس پر بٹہ لگا کر اپنے نامناسب و نازیبا اور ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں وہی کل حفاظت حقوق انسانی کے لئے واویلا مچا رہے تھے۔

انسانی لبادہ میں ملبوس نظر آنے والے ان وحشیوں سے یہ کوئی بعید بات نہیں اور نہ ہی لبنانیوں کے ساتھ رونگٹے کھڑے کر دینے والے وحشیانہ سلوک ہی ان کے نزدیک کسی اہمیت کے حامل ہیں، لیکن جو صورت اپنے معاملہ میں ہم مسلمانوں نے اختیار کی ہے اس پر حیرت و استعجاب ایک فطری امر ہے کہ اپنے انجام کو انہیں وحشیوں اور ظالموں سے جوڑ رکھا ہے۔ انہیں کے قدم بقدم چل رہے ہیں، انہیں کا نعرہ لگا رہے ہیں قول و فعل میں بغیر کسی امتیاز کے ایک کوے کی طرح انہیں کا راگ الاپ رہے ہیں حیرت ان پر ہے جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، ان کا انتساب بھی مسلمانوں ہی کی طرف ہے، نام بھی مسلمانوں ہی جیسا ہے عقیدہ بھی وہی ہے۔ جو مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود انتہا پسندوں اور مارکسیوں کی باتوں میں آنے ملحدین و کافرین کی جماعت میں شامل ہونے میں ان کو ذرہ برابر تردد نہیں ہوتا۔

لبنان میں بھی جو واقعات رونما ہوئے ان کا اصل سبب نہ تو صرف اسرائیل کی وحشیت و بربریت اور امریکی درندگی ہی کو کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی دشمن کے مقابلہ میں آنے والے پیر سالار کے عناد اور اسرائیلی فوج کی عداوت ہی کو ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے بلکہ میرے خیال میں اس کی بڑی وجہ ہم مسلمانوں کا ایمان و عقیدہ کی چھاؤنی سے انحراف دینی اسلحہ سے بے نیازی و بے رخی اور نیشنلزم پر اعتماد کامل ہے جس نے ہم سے دغا کیا، میدان جنگ میں بھی رسوا کیا، بے تحاشا ہمارے سر قلم کئے۔

لیکن اب مجھے یقین ہے کہ کیمپ ڈیوڈ کرائسس ہم نے بہت کچھ سیکھ لیا ہوگا اور اس اخلاقی انارکی سے ہم نے ضرور نصیحت حاصل کر لی ہوگی جو ہمارے مستقبل کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہوں گے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ

اسلامیات
اور
مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین
از
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مستشرقین یورپ کے تحقیقی کاموں پر منصفانہ تبصرہ اور عالم اسلام میں مسلمان مصنفین کے علمی و تحقیقی کاموں کا وسیع جائزہ

قیمت ———— چھ روپے

اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر
پروفیسر خلیق احمد نظامی

ہندوستان میں اسلام کا کردار بڑا شاندار، تاریخی، تعمیری اور انقلابی رہا، اس نے یہاں کی فطری صلاحیتوں کو ابھار دیا، اور اس کو وہ جوہر عطا کیا جس کی اس کو ضرورت تھی، سب سے قیمتی جوہر وحدت ہے جس کا اثر عقیدہ سے لے کر معاشرت، ثقافت اور ریاست و انتظامیہ تک پر نمایاں رہا۔ یعنی اسلام نے ہندوستان کو جو وحدتِ ملی کا تصور دیا اور جو تعمیری و تہذیبی اضافہ کیا

اس کا ایک تاریخی جائزہ

قیمت ———— پانچ روپے

نوٹ:۔ دونوں کتابوں کی مجموعی قیمت پیشگی وصول ہونے پر کتابیں رجسٹرڈ ڈاک سے روانہ کی جائیں گی۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس نمبر ۱۱۹ ندوہ لکھنؤ

خدا محفوظ رکھے

بد اعمال کی موت کا منظر اتنا ہیبتناک ہوتا ہے

محمد محمود صواف
ترجمہ: شمس الحق ندوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ملک الموت کو حکم دیتا ہے کہ میرے دشمن فلاں بن فلاں کے پاس جاؤ اور اس کو میرے پاس لاؤ میں نے اسکے لئے اپنے رزق کا دروازہ وسیع کیا، اپنی نعمتیں اس کے لئے آسان و سہل الحصول کردیں۔ اس کے باوجود وہ میری نافرمانی ہی کرتا رہا اس کو میرے پاس لاؤ اس کو سزا دوں اور انتقام لوں۔ اس حکم خداوندی کے بعد وہ فرشتہ نہایت بدصورت شکل میں اس کے پاس جائے گا، اس کے ساتھ آگ کی چھڑ ہوگی جس میں بہت سے کانٹے ہونگے اس کے ساتھ پانچ سو فرشتے ہوں گے ان کے ساتھ پتیل اور جہنم کی آگ کا پتھر ہوگا، ان کے ہاتھ میں آگ کے کوڑے ہونگے جو دہکتے ہوں گے، فرشتہ اس شخص کو اس چھڑ سے اس زور کے ساتھ مارے گا کہ اس کا ہر کانٹا اس کی ہر رگ اور ہر بال کی جڑ میں گھس جائے گا، پھر فرشتہ اس کو دہرا کر دیگا پھر اس کی روح کو دونوں پاؤں کے ناخنوں کی طرف سے کھینچ لیگا اور اس سے اس کو اتنی تکلیف ہوگی کہ اس پر غشی طاری ہو جائیگی، فرشتہ رک جائے گا یہاں تک کہ وہ ہوش میں آجائے پھر دوسرے فرشتے اس کے چہرے اور پیٹھ پر کوڑے برسائیں گے، اس کے بعد ملک الموت اس کو زور سے دبائے گا اور پھر اس کی روح کو دونوں گھٹنوں کی طرف سے نکال لے گا اور اس کی کمر میں روک لیگا شدت تکلیف سے خدا کا یہ دشمن پہلے سے زیادہ سکرات و غشی میں مبتلا ہو جائے گا ملک الموت پھر رک جائے گا تاآنکہ اسکو ہوش آجائے گا اور فرشتے اس کے چہرے اور پشت پر آگ کے کوڑے برسائیں گے ملک الموت کا یہ عمل برابر جاری رہے گا حتی کہ اس کی روح کو سینے سے پھر اس کے بعد حلق سے نکالے گا پھر فرشتے پتیل اور جہنم کے انگارے کو اس کی ٹھڈی کے نیچے رکھ دیں گے اور ملک الموت کہے گا، اے ملعون روح تو (دوزخ کی) لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں (جو) نہ ٹھنڈا ہے، نہ خوشنما چل۔

جب فرشتہ اس کی روح قبض کرلیگا تو روح جسم سے کہے گی خدا تجھیں بدترین بدلہ دے تو خدا کی نافرمانی کی طرف تو مجھ کو بڑی تیزی کے ساتھ لیکر بڑھتا تھا، اور اللہ کی اطاعت میں سستی کرتا تھا، تو برباد ہوا مجھے بھی برباد کیا، پھر جسم روح سے اسی طرح کی بات کہے گا اور زمین کے وہ تمام مقامات جہاں یہ خدا کی نافرمانی اور معصیت کا مرتکب ہوتا تھا اس پر لعنت کریں گے۔

اور شیاطین ابلیس کے پاس جائینگے اور اس کو خوشخبری سنائیں گے کہ انھوں نے اولاد آدم میں سے ایک فرد کو جہنم میں داخل کردیا، پھر جب وہ اپنی قبر میں رکھا جائیگا تو قبر اس پر تنگ کردی جائے گی اتنا کہ پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جائینگی، حتی کہ دایاں حصہ بائیں میں، بایاں حصہ دائیں میں داخل ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اسکے پاس اونٹ کی گردن کے برابر کالے اژدہوں کو بھیجے گا۔ یہ اژدہے اس مردہ کے کانوں اور پاؤں کے دونوں انگوٹھوں کے پاس سے پکڑیں گے اور کاٹنا شروع کریں گے یہاں تک کہ سر اور پیر دونوں طرف سے کاٹتے کاٹتے کمر تک پہنچ جائینگے اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتوں کو بھیجے گا جن کی آنکھیں بجلی کی مانند چمکدار ہوں گی اور ان کی آواز بجلی کی کڑک کے مانند ہوگی اور دانت گائے کے سینگ جیسے ہوں گے، ان کی آنکھ آگ کے شعلہ کی مانند ہوگی، رحم و محبت ان میں نام کا نہ ہوگا ان دونوں فرشتوں کا نام منکر و نکیر ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں اتنا بھاری گرز ہوگا کہ قبیلہ ربیعہ و مضر کے لوگ مل کر اس کو اٹھانا چاہیں تو نہیں اٹھا سکتے، یہ دونوں فرشتے اس کو بیٹھنے کا حکم دیں گے، وہ سیدھا بیٹھ جائیگا اور کفن کمر پر آجائے گا منکر نکیر اس سے پوچھیں گے تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے، تمہارا نبی کون ہے؟ وہ جواب دے گا مجھے معلوم نہیں اسکے بعد منکر و نکیر اسے کہیں گے تمہیں کچھ نہ معلوم ہو...... اس کے بعد اس کو ایسی مار ماریں گے کہ قبر میں شرارے اڑیں گے، پھر اس سے کہیں گے اپنے اوپر دیکھو، وہ اوپر دیکھے گا تو اس کو جنت کا ایک دروازہ کھلا نظر آئے گا اور دونوں فرشتے اس سے کہیں گے خدا کے دشمن! اگر تم نے خدا کی اطاعت کیا ہوتا تو یہ تمہارا گھر ہوتا۔

اللہ کے رسول نے فرمایا اس وقت اس کو ایسا افسوس اور ایسی حسرت ہوگی کہ کبھی ختم نہ ہوگی، فرشتے پھر اس سے کہیں گے کہ اپنے نیچے دیکھو، نیچے دیکھے گا تو جہنم کا ایک دروازہ کھلا نظر آئے گا اور فرشتے اس سے کہیں گے تم نے خدا کی نافرمانی کی اس لئے یہ ہے تمہارا ٹھکانا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسوقت اس کے دل میں ایسی حسرت ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

یہ ہے قبر کا عالم اور آخری و یقینی منزل و ٹھکانا، ہر یہاں کے اول کا جا ہے وہاں تک رسائی میں کچھ دیر لگے، لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ اس آخری منزل کو اعمال صالحہ کے ذریعہ وسیع و روشن کرنے میں کوشاں رہے اور عمر کو طلب دنیا کی خاطر ایک دوسرے سے مسابقت اور اس پر کتوں کی طرح گرنے میں نہ صرف کردے اللہ تعالیٰ نے اپنے کمزور بندے کے رزق کی تو ضمانت لیا ہے، لیکن آگ سے نجات و خلاصی کی ضمانت نہیں لیا ہے صاحب عقل و فہم شخص اس چیز کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت نہیں لیا ہے، بندہ اس کو درست کرنے اور سنوارنے میں کوشاں رہتا ہے اور جس کی خدا نے ضمانت لے لیا ہے اس کو ضمانت لینے والے کے حوالہ کر دیتا ہے۔

اس دنیاوی زندگی میں خوشحال مالدار اور تنگ حال و فقیر دونوں ہی برابر ہیں اس کے بعد قبر میں دونوں ہی کو جانا ہے ہر شخص کی زندگی کا ورق سمٹے گا اور اس کی متاع حیات ختم ہوگی۔ اس کا مال و اسباب دوسروں میں تقسیم ہوگا اور اس کو لوگ بھول جائیں گے۔ اس کے ساتھ اس کے نیک اعمال ہی جائیں گے اور وہی اس کو فائدہ پہنچائیں گے۔

بقیہ ص ۴

کی زمین پر ایمان و اسلام کے علم لہرائے اور اسلام کو درخشندگی و تابندگی حاصل ہو۔

میں نے اس سے پوچھا، کیا آپ کے سامنے کوئی جاہل و بے بہرہ زانوئے تلمذ تہ کرکے علم و عمل سے بہرہ مند ہوا، کسی بھٹکے ہوئے مسافر نے آپ کی شمع فروزاں سے اپنی قندیل چشم و بصیرت روشن کی، اور کسی خوگر ظلم و عصیان نے فسق و فجور سے تائب ہو کر چوکھٹ ایمان و اسلام پر جبین نیاز ٹیکی؟ وقس علی ھذا۔

اس نے کہا! ہاں ہاں، کیوں نہیں۔

میں نے کہا، پھر گلہ کس بات کا؟ کیا یہ بذات خود ایک بہت بڑا فائدہ نہیں؟ کسی شخص کا جاہلیت کی ضیق و عفونت سے نکل کر اسلام کی وسعت و نورانیت میں آجانا وہ نشان درخشاں ہے جو منزل کا پتہ دیتا ہے بلکہ وہ بذات خود ایک عظیم مقصد اور مقدس خواب ہے جو شرمندہ تعبیر ہو چکا، صحیح حدیث میں آیا ہے، لان یہدی اللہ بک رجلاً واحداً خیر لک من حمر النعم (خدا تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے)۔

پھر ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی فکر و کوشش کا سلسلہ اور دعوت و تربیت کا کام پوری خوش اسلوبی سے جاری رکھیں، یہی ہماری ذمہ داری ہے۔ اسی پر ہماری گرفت ہوگی، کامیابی و ناکامی سے ہمکنار کرنا تو خدا کا کام ہے، ہمارا کام ہے پودا لگا کر پھل کا انتظار کرنا اور بس...... خدا ہم سے یہ ہرگز نہیں پوچھے گا کہ تم کامیاب کیوں نہیں ہوئے، لیکن یہ ضرور پوچھے گا کہ منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے تم نے ہاتھ پیر کیوں نہیں چلائے اور تگ و دو کیوں نہیں کی۔

" وقل اعملوا فسیری اللّٰہ عملکم ورسولہ والمؤمنون و ستردون الی عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون۔ (توبہ - ۱۰۵)

(اور آپ کہہ دیجئے کہ عمل کئے جاؤ سو تمہارے عمل کو اللہ اور اس کا رسول اور مومنین ابھی دیکھ لیتے ہیں اور تمہیں ضرور ہی غیب و شہادت کے جاننے والے کے پاس جانا ہے تو وہ تم کو بتلا دے گا کہ تم اب تک کیا کرتے رہے ہو)۔

اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر

پروفیسر خلیق احمد نظامی

علامہ اقبال نے ایک نہایت ہی فکر انگیز خطبہ میں کہا تھا:۔

"حقیقت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ دنیا بھر میں شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہے جس میں اسلام کی وحدت خیز قوت کا بہترین اظہار ہوا ہے"[1]

ہندوستان پر اسلامی فکر اور تہذیب کے اثرات کے جائزہ میں یہ جملہ مشعل راہ کا کام دیتا ہے، جس وحدت خیز قوت کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے، اس کا سرچشمہ اسلام کا نظریۂ توحید تھا، انسان کی عملی زندگی میں جب یہ نظریہ بروئے کار آتا ہے تو کثرت سے وحدت، انتشار سے اتحاد اور نفاق سے اتفاق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، اس کی کارفرمائی نے ہندوستان کو جو محض ایک جغرافیائی علامت بن چکا تھا، سیاسی وحدت کا تصور دیا، یہاں کے سماج کو جو طبقات میں بٹ کر ذات پات کے مسموم اثرات کا ہدف بن گیا تھا، نئے سماجی رجحانات سے آشنا کیا اور ایک مخصوص اخلاقی شعور بیدار کر کے پست طبقوں کو خودی اور خودداری کا سبق پڑھایا، جن غریبوں کے کان اور زبان مذہبی کتابوں سے ناآشنا تھے، اور جن کی آنکھوں نے مندروں کی شکل تک نہیں دیکھی تھی، اس سطح پر لا کر کھڑا کر دیا کہ ابھی دو تین صدیاں بھی نہ گزرنے پائی تھیں کہ وہ مذہبی رہنمائی کی مسند پر نظر آنے لگے، مذہبی تعلیم کے دروازوں پر جو طبقاتی تصورات کے پہرے بیٹھے ہوئے تھے، وہ ہٹا دیئے گئے، تاریخ کا کوئی طالب علم جب بھی عمرانیات کی روشنی میں ان عوامل اور محرکات کا تجزیہ کرے گا، جنھوں نے ہندوستان کی سماجی اور مذہبی فکر کی سمت کو بدلا ہے تو اس کو اسلامی اثرات کی گہرائی اور اس کے دوررس نتائج کا اعتراف کرنا پڑے گا، قرون وسطیٰ کی تین قدیم تہذیبیں تھیں، رومن، ساسانی، اور ہندوستانی، ان میں ہندوستانی تہذیب کا خاص مقام تھا، اور فکری اعتبار سے اسلام کے تعلق سے سب سے زیادہ دلچسپ نتائج بھی یہیں پیدا ہوئے۔

اسلام کا ہندوستان سے سب سے پہلا تعلق تاجروں کے ذریعہ قائم ہوا، ہندوستانی تاجر، عرب ممالک میں اور عرب تاجر ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقوں میں آباد تھے ان ہی کے ذریعہ ابتدائی ثقافتی رشتے بھی قائم ہوئے، عرب میں ایک علاقہ کا نام "ارض الہند" اسی بنا پر پڑ گیا تھا کہ وہاں بہت سے ہندوستانی آباد تھے[2] حال ہی میں گنیزہ (GENIZA) دستاویزوں کا ایک بیش بہا ذخیرہ، جو کبھی مصر سے کیمبرج لے جایا گیا تھا، مورخین کی توجہ کا مرکز بنا ہے اس سے اُن تجارتی تعلقات کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے جو صدیوں تک ہندوستان اور عرب ممالک کے درمیان قائم رہے تھے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان[3] میں بہت سی ایسی احادیث نقل کی ہیں، جن میں ہندوستان کا ذکر آیا ہے، کہا جاتا ہے کہ ایک ہندوستانی راجہ نے اچار کا تحفہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا[4]، امام بخاری نے ادب المفرد میں لکھا ہے کہ ایک بار حضرت عائشہ رضؓ بیمار ہوئیں تو آپ کے بھتیجوں نے ایک جاٹ حکیم سے مراجعت کی[5] ابن خلکان اور ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ امام زین العابدینؒ کی ماں ہندوستانی تھیں، ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک جہازراں سے ہندوستان کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا: "اس کے دریا موتیوں سے، پہاڑ جواہرات سے اور جنگلات خوشبوؤں سے بھرے ہوئے ہیں"[6] یہ ابتدائی تعلقات سمندری لغت اور مختلف اشیاء تجارت کے متعلق معلومات تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ ان کے ذریعہ سماجی روابط کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے تہذیبی اثرات بہت دوررس تھے۔

ہندوستان سے اسلام کے روابط کی دوسری منزل اس وقت آئی جب سندھ پر عربوں کا تسلط قائم ہوا، یہ زمانہ وہ تھا جب اسلامی فتوحات کا پرچم ایک طرف وسط ایشیاء میں، دوسری طرف اسپین کے ساحل پر لہرا رہا تھا، ایک طرف قتیبہ کے سفیر شہنشاہ ہیون سنگ کے دربار میں سجدہ سے انکار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ "ہم خدا کے آگے جھکتے ہیں، کسی بادشاہ کے آگے نہیں" دوسری طرف طارق کنار اندلس پر اعلان کر رہا تھا کہ "ہر ملک خدا کا ہے کسی انسان کا نہیں، انسانی گردن کا صرف اللہ کے آگے جھکنا اور ملک صرف اللہ کا ہونا" ——— عقیدہ کی اس قوت کے مظہر تھے، جس نے وسط ایشیاء اور اسپین کی تاریخ کا رخ بدل دیا، سرزمین ہند کو نسل آدم کی وحدت کا سبق پڑھانے کے لئے منتخب کیا گیا، ہندوستان کے تاریخی پس منظر اور یہاں کے سماجی حالات نے اس تجربہ کو بہت معنی خیز بنا دیا تھا، عربوں نے سندھ کو جس حد تک متاثر کیا، اس کا عمیق تاریخی تجزیہ آج تک مورخین کی تحقیقی کاوشوں کی راہ دیکھ رہا ہے، انھوں نے رفاہ عام کے کاموں میں غیر معمولی دلچسپی لی، نہریں کھدوائیں، مدارس قائم کئے، دریائے سندھ پر "سکر المید" نامی پل بنوایا[7]، ڈاک کا انتظام کیا، وغیرہ وغیرہ، چچ نامہ میں ہے کہ حجاج نے محمد بن قاسم کو ہدایت کی تھی کہ:۔

پنج وقت نماز بدرگاہ یگانہ خدای	خدائے عز وجل کی بارگاہ میں پنجوقتہ نماز
عز وجل برہمہ مہمات تقدم داری،	ساری مہمات سے مقدم رکھنا، تکبیر
وبوقت تکبیر وقرأۃ وقیام درکوع	کے وقت اور قرأۃ، قیام، رکوع
وسجود وقعود بتضرع وزاری استعانت	وسجود وقعود میں نہایت تضرع اور زاری
خواہی وبذکر الٰہی زبان رامرطب	سے اس کی مدد کے طلبگار رہنا، ذکر الٰہی
داری تاکارہای تو بنظام باشد[8]	میں اپنی زبان کو مصروف رکھنا تاکہ
	تیرے کام اچھی طرح انجام پذیر ہوں۔

محمد بن قاسم کے جانے کے بعد، بقول بلاذری، ہندوستانی اس کے فراق میں روئے علاوہ ازیں سندھیوں کا اس کے مجسمے بنا کر نصب کرنا[9]، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ عربوں نے نہ صرف سندھ کی زمین پر قبضہ کیا تھا، بلکہ یہاں کے بسنے والوں کے دلوں کی دنیا بھی فتح کر لی تھی، داہر کا وزیر سیاکر محمد بن قاسم کا مشیر خاص تھا، لکھا ہے:۔

وہر راز و مشورت کہ امیر محمد قاسم	ہر راز دارانہ مشورہ جو امیر محمد قاسم
کردے بائے بودے، واز وے	کرتا تھا اس سے کرتا تھا، جو بھی
طلب استخبار کردے واز کل مصالح	رائے لی جاتی اس سے لی جاتی تھی،

[1] خطبات اقبال، اکیڈمی لائبریری سندھ، کراچی ۱۹۶۰ء ص ۳۰-۳۷
[2] طبری ج ۲ ص ۵، ابن اثیر ج ۲ ص ۱۲۷، کتاب الخراج، امام یوسف ص ۱۷، طبقات ابن سعد، ص ۲
[3] مرتبہ محمد فضل الرحمٰن ندوی، علی گڑھ ۱۹۷۶ء ص ۵۴-۵۷ [4] المستدرک حیدرآباد ج ۴ ص ۳۵
[5] ایضاً ص ۴۷ [6] الاخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری ص ۳۳۶
[7] فتوح البلدان، ص ۴۴۵ (لیڈن) [8] چچ نامہ ص ۱۶۳ [9] فتوح البلدان ص ۴۴۰

امراء المسلمین کانوا فی تلک البلاد	مسلمان امیروں کی بھی تھی، جن کے
ابا عن جد من ایام السلطان	آباؤ اجداد سلطان محمود بن سبکتگین کے
محمود بن سبکتگین یلازمون	زمانہ سے ان حصوں میں رہتے چلے
شریعۃ الاسلام ویواظبون	آئے تھے، شریعت اسلامیہ کی پابندی
علی الصلوٰۃ وافعال الخیر[1]	کرتے تھے اور دیگر اعمال خیر میں راسخ
	تھے۔

سید محمد گیسو درازؒ کے اجداد میں ایک بزرگ سید ابوالحسن جنیدی فتح دہلی سے کافی پہلے اپنے ۱۶ ساتھیوں کے ساتھ دہلی آ کر بس گئے تھے، انھوں نے ایک مسجد بھی بنائی تھی، جس میں صرف ایک پتھر نصب کر کے قبلہ کی نشاندہی کی گئی تھی، اس زمانہ میں ان کو جو دشواریاں پیش آئیں ان کا ذکر حضرت گیسو درازؒ نے ایک بار اپنی مجلس میں یوم عاشورہ کو کیا تھا[2]۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا پرتھوی راج کے زمانہ میں اجمیر آنا سیر الاولیاء سے ثابت ہے[3]، شیخ نظام الدین اولیاءؒ جن کا وطن بدایوں تھا، اور جو دو واسطوں سے مولانا رضی الدین حسن صغانیؒ صاحب "مشارق الانوار" کے شاگرد تھے، مولانا صغانیؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے، کہ "او از بدایوں بود"[4] اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پیدائش بدایوں میں ہوئی تھی، تو ان کا خاندان یقیناً راجپوت عہد میں وہاں آ کر بس گیا ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ مسلمانوں کی یہ نو آبادیاں اعلیٰ ذات کی ہندو آبادیوں سے دور قائم ہوئیں تھیں، اونچی ذات کے ہندوؤں میں طبقاتی نظریات اور ذات پات کا خیال اتنا پختہ تھا کہ وہ کسی غیر ذات کے آدمی کو اپنے قریب جگہ دینے کے لئے آمادہ نہ تھے، ہندو عوام کا رویہ اس کے برخلاف تھا، انھوں نے خوشی کے ساتھ ان مسلمانوں کو اپنی آبادیوں میں جگہ دی۔

ہندوستان پر اسلامی اثرات کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس زمانہ کے ہندوستان کے مذہبی اور سماجی حالات کا جائزہ لیا جائے، ان حالات کی تفصیل البیرونی کی کتاب الہند میں ملتی ہے، اور ہندوؤں کی قانونی کتابوں (منوسمرتی، یجنولکیا وغیرہ) سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ہندوستان کا سارا سماجی ڈھانچہ ذات پات کے تصورات پر قائم تھا، ہر طبقہ کی قانونی، سماجی اور معاشی حالت مختلف تھی، حقوق کی تقسیم، طبقات اور ذات کی بنیاد پر کی گئی تھی، اور قانون نے ان طبقاتی امتیازات کی جڑیں اور مضبوط کر دی تھیں، سماج کی سب سے اونچی منزل پر برہمن تھے، اور بقول منو ان کی حیثیت تمام دوسری ذاتوں کے سردار اور آقا کی تھی[5]، کہا جاتا تھا کہ دنیا کی ہر چیز صرف ان ہی کے لئے وجود میں آئی ہے، باقی اور سب انسانوں کی حیثیت طفیلیوں کی ہے، مذہب اور مذہبی زندگی سے متعلق جملہ کاروبار ان ہی کے قبضے میں تھے، خدا اور انسان کے درمیان ان کی حیثیت ایک ایسے واسطہ کی تھی، جس کے بغیر کوئی روحانی سعادت حاصل ہی نہیں کی جا سکتی تھی، البیرونی کا بیان ہے کہ صرف برہمن اور کشتریہ کو وید مقدس کے پڑھنے کی اجازت تھی، موکشا صرف ان ہی کے لئے تھا[1]، برہمنوں پر کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا تھا، ان کی ذات ٹیکسوں کی ادائیگی سے بالاتر سمجھی جاتی تھی[2]، جملہ علوم پر برہمنوں اور کشتریہ کا قبضہ تھا، دوسرے طبقات کے لئے علم کے دروازے بند تھے، اگر شودر یا ویش ذات کا کوئی شخص وید مقدس کا کوئی جملہ سن پاتا، یا اپنی زبان سے دہرا دیتا تو اس کی زبان کاٹ دی جاتی تھی[3]، علم و ادب کی بنیاد وید پر ہونے کے باعث عملاً اس حکم کے معنی یہ تھے کہ بقیہ سب ہندوستانی آبادی علم سے محروم کر دی گئی تھی۔

سماجی امتیازات کے اس پیمانہ میں عوام کا درجہ سب سے نیچے تھا، پیشہ ور لوگ مثلاً جولاہے، ماہی گیر، قصاب، رسن تاب وغیرہ کا شمار "انتیجا" میں ہوتا تھا، ان کے نیچے ہڈی، ڈوما، بدھاتو، چنڈالا تھے، جن سے شہروں کی صفائی کا کام لیا جاتا تھا، منوسمرتی کے حکم کے مطابق ان لوگوں کو شہر کی چہار دیواری کے اندر رہنے کی اجازت نہیں تھی، پیشہ ور لوگ اور نیچے طبقہ کے لوگوں کی اس زبوں حالی نے اجتماعی زندگی کو بری طرح متاثر کیا تھا، یہ لوگ طلوع آفتاب کے بعد کام کرنے کے لئے شہر میں داخل ہوتے تھے، اور غروب آفتاب سے پہلے باہر نکال دیئے جاتے تھے، اس طرح مدنی زندگی کی نعمتوں سے انسانوں کا ایک بڑا گروہ محروم کر دیا گیا تھا، اور ہندوستان کے شہر ذات پات کے امتیازات کی زندہ علامتیں بن کر رہ گئے تھے، چھوت چھات نے صورت حال کو اور بد سے بدتر بنا دیا تھا، ان حالات میں بیرونی ملکوں سے سیاسی یا ثقافتی کسی نوع کے بھی تعلقات قائم نہیں ہو سکتے تھے، البیرونی نے اس پہلو سے بھی ہندوستان کے حالات پر نظر ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ ایک خاص علاقہ سے باہر قدم رکھنا، اونچی ذات کے لوگوں کے لئے ممنوع تھا، سمندری سفر جس پر تجارتی اور تہذیبی تعلقات کا انحصار تھا، برہمنوں کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔

پھر جس طرح سماجی زندگی افتراق و انتشار کا شکار تھی، سیاسی نظام بھی تباہ حال تھا، پورا ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم تھا، ہر علاقہ مرکز سے بے تعلق اور اپنے دائرۂ عمل میں آزاد تھا، جاگیردارانہ (FEUDAL) نظام نے سیاسی وحدت کا موہوم نقش بھی ذہن پر نہ چھوڑا تھا، جاگیردارانہ نظام کی بنیاد دو اصولوں پر تھی، ہر علاقہ کے انتظامی ڈھانچے کا مقامی طور پر آزاد ہونا، اور حاکم کا قانون سے بالاتر سمجھا جانا، ان حالات میں ایک طرف انتظامی ابتری اور دوسری طرف جابرانہ خود مختاری پیدا ہو جانا ناگزیر تھا، انتظامی یکسانیت کا دور دور نشان نہ تھا، ہر علاقہ کا انتظامی نقشہ مختلف تھا، عہدے مختلف تھے، سکے مختلف تھے، ضابطے مختلف تھے، تاجروں کے لئے اپنے محدود علاقہ سے دوسرے علاقوں میں جانا ممکن نہ تھا، بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ ان حکومتوں کے آپس کے تعلقات بھی اکثر خراب رہتے تھے، حکومتوں کی باہمی رقابتیں اس حد کو پہونچ گئی تھیں کہ جب کسی بیرونی حملے کا خطرہ ہوتا تھا تو یہ ریاستیں متحد ہو کر ملک کی مدافعت کا سامان کرنے کے بجائے ایک دوسرے کی شکست میں اپنی فتح تلاش کرنے لگتی تھیں، حکمران طبقہ نے اپنی برتری کو اس طرح قائم کیا تھا کہ راجپوت بادشاہ اپنا نسب چاند اور سورج سے ملاتے تھے، اور الوہیت نسب میں اعتقاد رکھتے تھے

[1] ابن اثیر حصہ دوازدہم ص ۴۹ [2] جوامع الکلم ص ۲۱۳ [3] سیر الاولیاء ص ۴۶-۴۷ [4] فوائد الفواد ص ۱۰۳ ہر چند کہ بعض مضامین میں ان کو "لاہوری" ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن کسی نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے بیان کی تردید میں ایسی دلیل نہیں دی جو قابل قبول ہو۔
[5] MANU, CHAPTER X, PP. 401-402.

[1] کتاب الہند، انگریزی ترجمہ، ج ۱ ص ۱۰۴ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۳۲ [3] ایضاً ج ۱ ص ۱۲۵

علوم، عربوں ہی کے ذریعے دنیا تک پہونچے، عربوں نے حسابی رقم (ہندسے) لکھنے کا طریقہ ہندوستان سے سیکھا اور پھر دنیا کو دیا، عربوں نے اس کو "ارقام ہندیہ" کا نام دیا لیکن دنیا نے اس کو "اعداد عربیہ" کہا، اس زمانہ میں ہندو عربی کے اور مسلمان سنسکرت کے عالم بنے، عربی اور سنسکرت زبانوں کی تاریخ میں یہ ارتقائی منزل انتہائی دلچسپ تھی، جس نے دو تہذیبوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کے مواقع فراہم کر دیئے، یہ خیال کہ البیرونی پہلا مسلمان عالم تھا جو سنسکرت اور ہندو علوم میں دستگاہ رکھتا تھا، صحیح نہیں، اس سے بہت پہلے عرب ممالک میں سنسکرت علوم کو سمجھنے اور سمجھانے کے ذرائع مہیا ہو گئے تھے، یحییٰ برمکی نے ایک عرب عالم کو ہندوستانی مذاہب کے متعلق معلومات جمع کرنے کے لئے بھیجا تھا، ابن الندیم نے کتاب "الفہرست" اور مطہر مقدسی نے "کتاب البدء والتاریخ" اور دیگر عرب مصنفین نے اس سلسلہ میں بہت دلچسپ معلومات فراہم کی ہیں، عرب جغرافیہ نویسوں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تہذیب اور اس کے مذاہب کو سمجھنے کی کوششیں بڑے پیمانے پر جاری تھیں، وہ ہندوستان کو علم و حکمت کا سرچشمہ سمجھتے تھے[1]، اور گو چین کے کارناموں سے بھی متاثر تھے، لیکن ہندوستان کو علمی اعتبار سے سب سے افضل شمار کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقوں میں عربوں کی بہت سی بستیاں آباد تھیں، مسعودی لکھتا ہے کہ فقط صیمور میں دس ہزار مسلمان رہتے تھے، ان میں کچھ ہندوستانی تھے، اور کچھ باہر سے آئے ہوئے تھے، گجرات کے راجاؤں کے متعلق مسعودی کا بیان ہے کہ ہندوستان اور سندھ کے تمام راجاؤں میں راجہ بلہارا عربوں اور مسلمانوں کی سب سے زیادہ عزت کرتا ہے، اس کے ملک میں مسلمانوں کی مسجدیں آباد ہیں، اور وہ عزت کی زندگی گزارتے ہیں، ہندو راجاؤں نے ان کے آپس کے مقدمات فیصل کرنے کے لئے خود ان ہی میں سے قاضی مقرر کئے تھے، جو "ہنرمن" کہلاتے تھے۔[2]

ہندوستان اور اسلام کے روابط کے تیسرے دور کا آغاز سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے ہوتا ہے، اس کے حملوں نے ان ثقافتی اور تمدنی تحریکوں کا رخ بدل دیا جو ایک عرصہ سے ہندوستان اور مسلمانوں کے درمیان کام کر رہی تھیں، گو سلطان محمود کی فوج میں ہندو سپہ سالار ——— بہجرائے، سونڈی، تلک وغیرہ ——— ملازم تھے اور ان کو عروس البلاد غزنین میں اپنے مذہبی شعار کے مطابق عبادت کی بھی پوری اجازت تھی، ہندوستانی ذہن میں اس کی تصویر صرف مندروں کے توڑنے والے کی ہو گئی، تیس سال تک اس نے مسلسل ہندوستان پر حملے کئے، لیکن کسی علاقہ کو اپنی حکومت کا حصہ بنا کر وہاں کسی بہتر معاشرہ یا موثر نظام حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی، معاصر مؤرخ ابوالفضل بیہقی نے لکھا ہے کہ محمود کے بیٹے مسعود نے جب قاضی ابوالحسن بولانی کی خدمت میں، جو اپنے علم اور تقویٰ کی بنا پر غزنین میں بہت عزت سے دیکھے جاتے تھے، سومنات کا سونا تحفتاً بھیجا تو انھوں نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ:۔

برمن پوشیدہ است کہ غزوہ ہا بر طریق	مجھ پر یہ بات واضح نہیں کہ سلطان
سنت مصطفیٰ ہست علیہ السلام یا نہ[3]	کی وہ جنگیں حضرت مصطفیٰ علیہ السلام
	کی سنت کے مطابق تھیں (بھی) یا نہیں۔

ضروری ہے کہ یہاں اس زبردست فرق کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے، جو عرب اور ترک فاتحوں میں تھا، عربوں کے سیاسی کردار میں اسلامی طرز فکر کی کارفرمائی تھی، گو حالات نے اس کی ابتدائی نوعیت کو باقی نہیں رکھا تھا، لیکن پھر بھی ان کے فکر و عمل میں اسلام ایک متحرک قوت تھا، ترکوں کا حال اس سے مختلف تھا، ان کے بیشتر قبائل اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے، اور اسلام کے نظام حیات سے عربوں کی طرح آگاہ نہ تھے، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تصانیف میں عربوں اور ترکوں کے طریقۂ کار اور فکری رجحان کے اس فرق کی طرف اشارے ملتے ہیں، اور مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبید اللہ سندھی نے خاص طور پر اس پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

بہرحال سلطان محمود کے بیٹے سلطان مسعود کے بعد دولت غزنویہ نہایت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہونے لگی، لیکن اس دور انحطاط میں بعض ایسی ادبی اور مذہبی تحریکیں ابھریں جن کے اثرات صدیوں تک زندگی کے مختلف شعبوں میں محسوس ہوتے رہے، بہرام شاہ غزنوی کے عہد میں حکیم سنائیؒ، خواجہ فریدالدین عطارؒ وغیرہ نے اپنی شاعری کے ذریعہ ان اخلاقی قدروں کو عام کر دیا، جو انسانی سماج میں صرف "ہم زبانی" ہی نہیں بلکہ "ہم دلی" کے لئے بھی میدان ہموار کر سکتی تھیں، غزنین کی اس تحریک کے اثرات پورے طور پر ہندوستان آئے اور محمود غزنوی کے حملوں نے جن تہذیبی روابط کی رفتار کو سست کر دیا تھا، ان میں ایک بار پھر گرمی پیدا ہو گئی، سنائیؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ خود ہندوستان آئے تھے، اور کسی قدر ہندی زبان سے بھی واقف تھے[1]، فرخی، منوچہری، سنائی، مختاری وغیرہم نے ہندی الفاظ مثلاً کوتوال، چندن، لنگھن، برشگال، پانی وغیرہ جس بے تکلفی سے استعمال کئے ہیں، اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ الفاظ فارسی زبان وادب کا جزو بن چکے تھے، اور ان کے پیچھے سماجی روابط کی پوری تاریخ تھی۔

سلطان محمود کے بعد ہندوستان کی تاریخ کے تقریباً دو سو سال سماجی، مذہبی اور سیاسی اعتبار سے بے حد اہم تھے، اس زمانہ میں ہندوستان کا سیاسی نظام جاگیردارانہ (FENDAL) طرز پر، اور سماجی نظام ذات پات کے اصولوں پر قائم ہوا، ہندو تہذیب اور تمدن کے وہ کارنامے جن سے کبھی علمی دنیا کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں، اب ماضی کی داستان بن کر رہ گئے، پورے معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھا گیا، ہندوستان کے اس سیاسی اور سماجی نقشے میں تبدیلی اس وقت واقع ہوئی جب شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان کا رخ کیا، اور اس کے غلام افسر ۱۵ سال کی قلیل مدت میں قرون وسطیٰ کی سب سے بڑی سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن اس سلسلہ میں ایک حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی نو آبادیاں بارہویں صدی عیسوی کے اس سے بھی پہلے، ہندوستان میں جگہ جگہ قائم ہو گئی تھیں، اور اسلامی افکار اور تہذیب کا نفوذ و اجراء ان نو آبادیوں کے ذریعہ ملک کی فتح سے بہت پہلے شروع ہو گیا تھا، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی مسلم فتوحات کے بعد شروع ہوئی لیکن یہ خیال صحیح نہیں، تاریخی شواہد سے ثابت ہے کہ بنارس، قنوج، بدایوں، بہرائچ، اجمیر وغیرہ مقامات میں مسلمانوں کی نو آبادیاں اس وقت قائم ہو گئی تھیں، جب غوریوں کی فوجوں نے اس ملک میں قدم بھی نہیں رکھا تھا، ابن اثیر بنارس کے راجہ کے متعلق لکھتا ہے:۔

ومن جملة عسكره عدة	اس کے سپاہیوں میں ایک تعداد

[1] جاحظ (م ۲۵۵ھ ۸۶۹ء) ہندوستان کو فکر و نظر کا سرچشمہ قرار دیتا ہے۔ "ومن عندهم خرج علم الفكر" رسالہ فخر السودان علی البیضان ص ۸

[2] عجائب الہند بزرگ بن شہریار ص ۱۶۳-۱۶۵ [3] تاریخ آل سبکتگین ص ۶۳۷

[1] پنجاب میں اردو، حافظ محمود خاں شیرانی۔ ص ۵۹

و امور سلطنت و قوام مہمات	اور تمام امور سلطنت اہمات وغیرہ
و دوام دولت باوے بگفتے[1]	اور مصالح ملکی سے متعلق جملہ کاموں
	میں اس سے بات کی جاتی تھی۔

محمد قاسم کا حکم تھا کہ مال گذاری کے حصول میں انصاف اور عدل برتا جائے:۔

و بزوائد و عوارضات ہیچ کس را	زائد اور عارضی محصول کے لئے کسی کو
تعرض نمی رساند۔	تکلیف نہ دی جائے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی تھا کہ:۔

عمال و اصحاب را تربیت میکند[2]	حکومت کے افسران اور اصحاب کی
	تربیت کا انتظام کیا جائے۔

تاکہ انتظامی عملہ میں عدل و انصاف کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

محمد بن قاسم کا اعلان برہمن آباد، اسلام اور ہندوستان کے تعلقات کی اہم ترین دستاویز ہے، اس کے ذریعہ ہندوؤں کو مشابہ اہل کتاب کا درجہ مل گیا، اور یہ عربوں کی بڑی وسیع النظری اور کمال رواداری کا ثبوت تھا، یاد رہے کہ اس مسئلہ پر ترکوں کا ذہن اتنا صاف نہیں تھا، جتنا عربوں کا تھا، انھوں نے سندھیوں کو اطمینان دلا دیا کہ ان کو پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی، اور ان کی عبادت گاہوں کی مکمل حفاظت کی جائے گی، اور حکومت کے جن عہدوں پر وہ اس وقت متعین تھے، ان پر اسی طرح قائم رکھے جائیں گے، چچ نامہ میں لکھا ہے:۔

زیرا کہ چوں ذمی شدند در خون و مال	چونکہ وہ ذمی ہو گئے ہیں ان کے خون اور
ایشاں دست تصرف ما مطلق	مال میں ہمارا مطلق کوئی تصرف نہیں
نباشد، و اجازت کردہ شد تا معبود	ان کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے
خود را عبادت کنند، و ہیچ کس را	معبود کی عبادت کریں اور (عمال
از کیش خود منع و زجر نکنند تا بخانہای	حکومت کو) ہدایت کر دی گئی کہ کسی کو
خود برائے خود زندگانی کنند[3]	اس کے مذہب سے نہ روکیں (بلکہ) اپنے
	گھروں میں جس طرح چاہیں زندگی
	بسر کریں۔

پھر ان احکام کی مزید تشریح اس طرح کی ہے:۔

پس اکابر و مقدمان و براہمہ را فرمود	چنانچہ اکابر، مقدم اور برہمنوں سے
کہ معبود خود را عبادت کنند و با مسلمانان	کہا کہ اپنے معبود کی عبادت (بلا روک
خرید و فروخت کنند و ایمن باشند	ٹوک) کریں، مسلمانوں سے خرید و
و در صلاح خود کوشند و فقراء برہمنان	فروخت کریں اور اطمینان سے رہیں
را باحسان و تعہد تیمار دارند و اعیاد	اور اپنی بہتری کے لئے کوشش کریں
و مراسم خود را بشرائط آباء و اجداد	اور برہمنوں کے ساتھ جن مراسم
قیام نمایند و صدقاتے کہ پیش ازیں	کو اپنے آباء و اجداد کے زمانہ سے
در حق براہمہ میدادند نیز بر قرار قدیم	ادا کرتے آئے ہیں، اور ان کو جو
بدہند[4]	صدقات دیتے رہے ہیں وہ بدستور
	قدیم دیتے رہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ کا یہ کتنا افسوسناک واقعہ ہے کہ عربوں کے بعد اہل الذمہ اور جزیہ کی صحیح نوعیت کو واضح کرنے کی کسی نے کوشش نہیں کی، اور مغل دور میں اس کے متعلق شدید غلط فہمیاں عام ہو گئیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس سلسلہ میں بہت صحیح بات لکھی ہے:۔

"اگر اس وقت علماء محققین ہوتے اور وہ جزیہ کی غرض و غایت اور اہل الذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کھول کر بیان کر دیتے تو ہندوؤں کو معلوم ہو جاتا کہ یہ ان کی تذلیل نہیں ہے بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوموں کے ساتھ کر سکتی ہے"[1]

لیکن ایسا نہ ہو سکا اور مشابہ اہل کتاب، اہل الذمہ، جزیہ وغیرہ سارے اسلامی نظریات غلط فہمی کا شکار ہو گئے[2]، مگر اس کی ذمہ داری عربوں پر نہیں، بعد کو آنے والی نسلوں پر ہے[3]۔

عربوں کا یہ کارنامہ ہے کہ انھوں نے اسلام کو انتہائی رواداری اور وسیع النظری کے مسلک کے طور پر پیش کیا، اور اس طرح تہذیبی روابط کی رفتار تیز تر کر دی، ایک عرب نوجوان نے الور کے ہندو راجہ کی استدعا پر قرآن مجید کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا، یہ ہندوستان میں کلام پاک کا پہلا ترجمہ تھا، اور عربوں نے اسلام سے متعلق جو دلچسپیاں یہاں کی مقامی آبادی میں پیدا کر دی تھیں اس کا بہترین ثبوت تھا۔

جب سندھ عرب حکومت کا ایک صوبہ بن گیا تو عرب اور ہندوستان کے تمدنی رشتے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے، اس زمانہ میں عربوں نے متعدد نئے شہر آباد کئے، جہاں ہندوستانی باشندوں کے دوش بدوش عربی گھرانے بھی بس گئے، عربی نسل کے یہ لوگ بڑے فخر کے ساتھ اپنے آپ کو "سندھی" لکھتے تھے۔

پھر مرکز خلافت دمشق سے بغداد کو منتقل ہوا تو ہندوستان اسلامی دنیا کے تمدنی اور سیاسی مرکز سے اور زیادہ قریب ہو گیا، خلفاء بنی عباس کو جس وسیع و عریض مملکت پر حکمرانی کرنی پڑی وہ مختلف نسلی، مذہبی اور لسانی عناصر پر مشتمل تھی اس لئے ان میں مختلف مذاہب کو سمجھنے، ان کے علمی اور ادبی سرمایہ کا جائزہ لینے اور ان کی روایات کا پتہ لگانے کا جذبہ بھی زیادہ تھا، ہارون الرشید نے اسی مقصد کے پیش نظر ایک بیت الحکمہ قائم کیا اور مختلف زبانوں کے عالموں کو ملازم رکھ کر علمی اور فنی کتابوں کے ترجمے کرائے، مامون نے اس کام کو مزید ترقی دی، ہندوستان کی پہلی کتاب جو عربی زبان میں منتقل کی گئی غالباً "سدھانت" تھی، اس کتاب نے عربوں کے ذہن کو اس درجہ متاثر کیا کہ مدتوں تک علم ہیئت پر ان کی ساری معلومات کی بنیاد اسی پر قائم رہی، اس کتاب کے ذریعہ بہت سی ہندی اصطلاحیں عربی میں داخل ہوئیں، علم ہیئت کے علاوہ علم ہندسہ، طب وغیرہ کی بہت سی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرایا گیا، ہندوستانی ویدوں نے بغداد کے شفاخانوں میں ہندوستانی طب کے علمی پہلوؤں کو واضح کیا اور خلفاء بنی عباس نے بعض شفاخانوں کی نگرانی بھی ان کے سپرد کر دی۔

یہ زمانہ وہ تھا، جب ہندوستانی تہذیب اور علوم و فنون اپنے اوج کمال پر پہونچ چکے تھے، ہندوؤں نے طب، ہیئت، حساب اور دوسرے علوم میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے تھے، اور ساری دنیا کو چراغ دکھایا تھا، یہ حقیقت ہے کہ بہت سے ہندوستانی

[1] چچ نامہ ص ۲۰۰ [2] ایضاً ص ۲۰۰ [3] چچ نامہ ص ۲۱۳ [4] ایضاً ص ۲۱۳-۲۱۴

[1] جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد ص ۳۶ [2] اسلام میں جزیہ کی حقیقت اور ذمیوں کے حقوق پر مولانا شبلی نے اپنے رسائل جزیہ اور حقوق الذمیین میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

[3] اس کی مثال ضیاء الدین برنی کے وہ افکار ہیں جن کا اظہار اس نے فتاویٰ جہانداری میں کیا ہے۔

تحقیقاتِ اسلامی

مختلف تاریخی وجوہ کی بنا پر یہ ہوا کہ اردو اور بہت سی دوسری زبانوں میں بعض عربی الفاظ و اصطلاحات کا مفہوم بدل گیا مثلاً عبادت اور توکل۔ بہت سوں نے صرف نماز اور تسبیح کو عبادت سمجھ لیا ہے حالانکہ زندگی کا ہر عمل جو اللہ تعالیٰ کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے، عبادت ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے اور اسباب کو ترک کر کے محض اللہ تعالیٰ سے آس لگائے رکھنے کو توکل قرار دے لیا، جبکہ توکل اسباب کو اختیار کر کے نتیجے کو اسباب کے پیدا کرنے والے پر چھوڑ دینے کا نام ہے۔ الفاظ و اصطلاحات کے اس طرح بدلے ہوئے مفہوم نے بہت سے مسلمانوں میں یا تو بے عملی پیدا کر دی یا ان کو صحیح راہ عمل سے بھٹکا دیا ہے اس قسم کے الفاظ و اصطلاحات کے صحیح مفہوم کا سراغ لگانا بھی اسلامی تحقیقات میں شامل ہے۔

اسلام نے تاریخِ انسانی میں کیا کردار ادا کیا ہے اور انسانی تمدن پر وہ کس کس طرح اثرانداز ہوا ہے۔ اس نے بعض قوموں کی توہم پرستی اور ان کی رسوم کا کیسے خاتمہ کیا ہے جیسے ہندوستان میں ستی کی رسم کا خاتمہ، جس کے مطابق ہندو عورت کو اس کے شوہر کے مرنے پر شوہر کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اسلام غیر اقوام کے نظریات و عقائد پر کیسے اثر انداز ہوا۔ اسلامی تعلیمات کے اثر سے کون کون سے نئے علوم پیدا ہوئے ہیں۔ اور کس طرح دنیا ماقبل سائنسی دور سے سائنسی دور میں داخل ہوئی ہے۔ مسلم علماء اور سائنسدانوں نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں مسلمانوں کا کیا حصہ ہے۔ مسلمانوں کے بعض علمی کارناموں اور سائنسی دریافتوں کو حتیٰ کہ اس سائنسی اسلوب (SCIENTIFIC METHOD) کو بھی جس کی بدولت سائنسی ترقی ممکن ہو سکی ہے کس طرح اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ ان سب امور پر اگرچہ کچھ نہ کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن ابھی بہت کچھ تحقیق کی ضرورت باقی ہے۔

اسلامی تحقیقات کا ایک نہایت ہی اہم میدان غیر مسلم خصوصاً عیسائی اور یہودی مستشرقین کی اسلام دشمن تحریروں اور تقریروں کا جواب فراہم کرنا اور ان کا توڑ کرنا ہے۔ عیسائی ہمیشہ ہی سے مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتے ہیں اور مسلمانوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ ان سے خائف بھی رہتے ہیں۔ ان کے خوف کی وجہ مسلمانوں کا دین ہے جس کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہو کر مسلمان پہلے کی طرح کسی وقت بھی ایک ناقابل تسخیر قوت بن سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے متوقع اتحاد یعنی مسلم بلاک سے بھی غیر مسلم اقوام خوفزدہ رہتی ہیں۔ بلاشبہ مستشرقین نے مسلمانوں کی بہت سی کلاسیکی کتابیں مرتب کر کے شائع کی ہیں جو ایک قابل قدر کارنامہ ہے لیکن اپنی تحریروں میں ان کا اہم مقصد اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرنا ہوتا ہے، تاکہ مسلمان اپنے دین پر اعتماد کرنے لگیں۔ اور اس طرح اپنے منبع قوت دینِ اسلام سے برگشتہ ہو کر اپنی قوت کھو بیٹھیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ اور یورپ میں اسلام کے متعلق بہت سے تحقیقی شعبوں کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اور اب مستشرقین کی تحریریں کسی نہ کسی مسلم ممالک میں جدت پسندی (MODERNISM) کی تحریک کو سرگرم عمل بنانے کے لئے وقف ہیں۔ ان تحریروں میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر مغربی تہذیب اپنانے سے ہی موجودہ دور میں مسلم ممالک ترقی کر سکتے ہیں۔

اسلامی تحقیقات کے سلسلے میں ایک بنیادی بات توجہ طلب ہے اور وہ ہے جذبۂ تحقیق و تلاش۔ ایک دور تھا جب اسلامی تعلیمات کے زیر اثر مسلمانوں میں تحقیق و تلاش کا ایک زبردست جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ قرآن کریم نے ایک طرف تو خود قرآن کریم پر غور و فکر کی دعوت دی ہے اور دوسری طرف مشاہدۂ کائنات کی طرف توجہ دلائی ہے تاریخ سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی ہدایت کی ہے جو لوگ اپنے قلوب اور حواس کو غور و فکر اور مشاہدے کے لئے استعمال نہیں کرتے اور بغیر سوچے سمجھے اپنے باپ دادا یا کسی اور کے طریقے پر محض اس لئے چلتے ہیں کہ وہ ان کے لئے محترم تھے اور خود غور و فکر کر کے حق کی تلاش نہیں کرتے ان کو زبردست تنبیہ کی گئی ہے۔ اسلامی تحقیق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ فکر انگیز اسلامی مواد فراہم کر کے مسلمانوں میں روح حریت، اور تلاش حق کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

غرضیکہ مسلمانوں میں روحِ تحقیق پیدا کرنا۔ اسلامی تعلیمات کا مہیا کرنا، تاریخ انسانی میں اسلام کا کردار معلوم کرنا، مسلمانوں کی تاریخ کا تجزیہ کر کے اسے از سر نو مرتب کرنا۔ اپنے قومی تشخص کو دریافت کرنا۔ اسلام کی اشاعت اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرانے کے طریقے معلوم کرنا وغیرہ۔ مختلف موضوعات ہیں۔ جن پر کام کرنے کے لئے تحقیقات کی ضرورت ہے اور ان کو اسلامی تحقیقات کا نام ہی دیا جا سکتا ہے۔ (بشکریہ "فکر و نظر" اسلام آباد پاکستان)

بقیہ ص ۱۷

بقیہ ص ۱۷

ملکی نظام طبقاتی تصورات پر قائم ہونے کی وجہ سے قانون کا سارا ڈھانچہ امتیازات پر مبنی تھا، تعزیرات کا قانون ہر ذات اور ہر طبقہ کے لئے جداگانہ تھا، برہمن کو خواہ وہ کیسے ہی سنگین جرم کا مرتکب کیوں نہ ہو، سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی[1] اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات کے آدمی کو مارتا تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے، اگر گالی دے دیتا تو زبان کاٹ دی جاتی، اور اگر اسے تعلیم دینے کا دعویٰ کرتا تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈال دیا جاتا تھا، عدالتوں میں مقدمات کی سماعت ذات کے اعتبار سے ہوتی تھی[2] عورتیں اور نیچے طبقے کے لوگ گواہ کے طور پر پیش نہیں کئے جا سکتے تھے[3] عورتوں کو طلاق نہیں دی جا سکتی تھی[4] برہمن چار عورتوں سے کشتریہ تین سے، ویش دو سے اور شودر صرف ایک عورت سے شادی کر سکتے تھے[5] — یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے اس سیاسی، سماجی، اور قانونی نظام کا جو ہندوستان میں اس وقت رائج تھا جب مسلمانوں نے سلطنت دہلی کی بنیاد ڈالی، ہندوستان کے رہنے والے عوام کو اسلامی سماجی نظریات کا کچھ اندازہ تو ان نو آبادیات سے ہو گیا ہوگا، جو پہلے سے قائم تھیں، لیکن حکومت کے قیام کے بعد نیا سماجی نظام اپنے پورے امکانات کے ساتھ ابھر آیا اور ہندوستانی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا رہا ہو جہاں مسلمانوں کے سماجی اور مذہبی نظریات کی پرچھائیاں نہ پڑنے لگی ہوں۔

---

[1] MANU AND YAJNAVALKYA, JAYASWAL P. 85
[2] IBID P. 115
[3] IBID P. 116
[4] HINDU LAW & CUSTOM, JOLLY P. 148
[5] کتاب الہند البیرونی، انگریزی ترجمہ ج ۲ ص ۱۵۵

قربانی کا پَرو (पर्व)
عید الاضحیٰ

مولانا عبد الکریم پاریکھ

ہر سال کی طرح زمانہ کی گردش پر سواری کرتا ہوا یہ دن ایک بار پھر آگیا جو ہم کو ایام قربانی کی یاد دلا رہا ہے۔

قربانی [illegible] دوسروں کے لئے کچھ دے دینے، اور اپنے حق کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ دین کی لائن میں اسے کائنات کے مالک کا تقرب یعنی نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ خدا تک پہنچنے کا یہ بہت ہی آسان راستہ ہے۔ جسے اللہ کے پیغمبروں نے اور اس کے نیک بندوں نے بتایا ہے اسی لئے قرآن مجید میں کہا گیا کہ:۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (قرآن) — ہمارے سامنے سر جھکاؤ تو ہمارے نزدیک آسکو گے

کسی دوسرے کی ضرورت پر دل بے چین نہ ہو وہ انسان کا دل نہیں۔ کسی کو دینے کے لئے جو ہاتھ آگے نہ بڑھے نہیں، بلکہ بے جان ٹھونٹھ ہے کسی دکھی انسان کے دکھ میں جو آنکھ رو نہ سکے وہ زندہ انسان کی آنکھ نہیں۔ مردے کی آنکھ ہے جو دوسروں کے دکھ پر دل کی چبھن اور آنکھ میں نمی کا احساس کرے۔ وہی انسان قربانی کے تہوار کا نمونہ ہے۔

آج عید الاضحیٰ کا دن ہے، یہ دن ایک انسان کی بے شمار قربانیوں کی یادگار کا دن ہے۔ یہ عظیم انسان حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، دین حنیف کے اس پیشوا نے انسانی زندگی کی اجتماعی دھوری کو حرکت میں لا کر عالم انسانیت کو ایک عالمی برادری عطا کی اور پوری انسانیت کو International Brotherhood یا अंतर राष्ट्रीय बंधुत्व میں لا کر قربانی کے पर्व کی بنیاد بنا دی۔

اسی بنیاد پر ایک عالمی بھائی چارہ وجود میں آسکا کہ تمام قوموں، تمام رنگ نسل، تمام علاقوں اور تمام دنیا کی بولی بولنے والے ایک مرکز توحید پر آج جمع ہوئے — جمع ہو کر اپنے اپنے مسائل کا جائزہ لینا، اپنا آپسی میل کچیل دور کر ڈالنا، دل کو صاف رکھنا، اپنے ایک ہی مالک کے حضور اپنی تمام نیازمندیاں پیش کر کے ثابت کر دینا کہ ہم ایک ہیں۔ ایک کے ہیں۔ ایک ہی کے حضور حاضر ہوں گے، اور ایک ہی دن میں ہم سب کو اپنے مالک کی عدالت میں اپنی زندگی کے تمام لکھے جوکھے پیش کر کے انصاف حاصل کرنا ہے۔ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (حج ۲۹)

آدمی کے سوچنے کے دو رخ ہیں، ایک رخ تو یہ ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں۔ جو چاہوں گا کروں گا، مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ اپنا سکھ، اپنا فائدہ — اپنا نفع اور بس۔ دوسروں کی مجھے کیا پرواہ، جس کا جو چاہے بنے یا بگڑے، مجھے تو صرف اپنی تمنا پوری کرنی ہے۔ میری خواہش پوری ہو چاہے دنیا کا کچھ بھی ہو

میرا کوئی مالک نہیں۔ میرا کوئی خالق نہیں میں کسی کا کچھ نہیں، اور میرا کوئی کچھ نہیں، بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے یہیں کا کھانا پینا، مرنا جینا اور بس، نہ کوئی حساب نہ کتاب، نہ کسی مالک کے دربار میں حاضری ہے نہ کوئی طرز زندگی کی پابندی — سوچنے کا یہ طریقہ بہت بھیانک نتائج ہمارے سامنے رکھتا ہے جس پر آج پوری انسانیت کی چیخ و پکار جاری ہے۔

بس یہیں سے بات بگڑ گئی، اب انسان کو मन اپنے آپ پر قابو نہیں، دل قابو میں نہیں رہا، زبان پر قابو نہیں رہا قلم بھی بے راہ ہو گئے، اور جھوٹ لکھنے لگے، ہاتھ بھی اٹھے اور دوسروں کے گلے پکڑے جانے لگے۔ اور وہ کچھ ہو گیا جس کیلئے شاید جانور بھی تیار نہیں، کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ جانوروں نے اپنی ایک جماعت بنا کر، ایک संगठन بنا کر اپنے ہی جیسے جانوروں پر حملہ کر دیا ہو کیا چیتوں یا شیروں نے انجمن بنا کر اپنے ہی جنس کے جانوروں پر اجتماعی حملہ کیا ہے؟ پھر یہ انسان ایسا کیوں گر گیا کہ دوسروں پر ٹوٹ پڑا جو اس کے تھے، اپنے تھے۔

سوچنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے جس کی تعلیم خدا کے نیک بندوں نے دی آسمانی کتابوں نے اس کا نقشہ بنایا، وہ یہ ہے کہ آدمی اس دنیا میں تنہا نہیں آیا ہے، کسی نے اسے بھیجا، یہاں یہ ہمیشہ اسے رہنا نہیں، بلکہ ایک مدت گنتی کی رہ کر یہاں سے اسے چلا جانا ہے اپنی مرضی سے آتا نہیں اور مرضی سے جاتا بھی نہیں۔ کوئی اس کا مالک ہے، وہی اپنی مرضی سے اسے یہاں بھیجتا ہے اور مدت ختم ہونے پر انسان واپس یہاں سے جانے پر مجبور ہے۔ پتہ نہیں کتنے لاکھوں سال سے یہ دنیا यह ग्रह یہ دھرتی انسان کا بوجھ سنبھالے ہوئے ہے۔ زندوں کا بھی۔ مردوں کا بھی — زندے اس کے پیچھے سے آکر اوپر ڈیرا ڈالتے ہیں، اور مردے اس کے اندر ڈال دیئے جاتے ہیں۔

آہا، کتنی عجیب ہے یہ دنیا اور کتنی دلچسپ بھی واقعی بڑی اچنبھے میں ڈالنے والی یہ دنیا ایک انوکھی دنیا ہے اور اس دنیا کا بسنے والا انسان جو بہت ہی عجیب اور بڑا البیلا اور انوکھا انسان ہے قیمت اور مرتبہ کے لحاظ سے اتنا اہم کہ ساری دنیا کی تمام چیزیں اس کے لئے اور صرف اس کے لئے اور یہ انسان صرف اپنے مالک کے لئے!!

خَلَقْتُ الْأَشْيَاءَ لَكَ وَخَلَقْتُكَ لِي۔ — میں نے تمام چیزیں اے انسان تیرے لئے بنائی اور تجھ کو صرف میرے لئے بنایا

بس یہ ایک نکتہ اور یہی ایک दृष्टिकोण جو آدمی کو اس دھرتی پر سردار انسان کے جیون جینے کی [illegible] دیتا ہے اور آدمی کا وجود قیمتی ہو جاتا ہے آدمی کی جب اہمیت ہو۔ تب ہی تو دوسرے اس کے لئے قربانی دیں گے؟ کیا نہیں دیکھا جا سکتا کہ اس کائنات کی ہر ہر چیز انسان کی خدمت اور اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ، إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (النحل ۱۲)

ترجمہ:۔ اور رات اور دن، اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

سوچنے کا یہ دوسرا طریقہ ہی انسان کے لئے مفید ہے اور اس کائنات کی ہر چیز گواہی دیتی ہے کہ یہی نظریہ حیات صحیح ہے۔ قربانی کے पर्व میں ہم کو آج ایک عظیم انسان کی یاد بھی آئی اور خوب آئی جب اس نے یہ کہا کہ:۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ — میں نے اپنے آپ کو اس کے سامنے ڈال دیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ میں نے اپنا چہرہ اس کے آگے جھکا دیا اور میں اب کسی کو بھی اس کا ساجھی دار نہیں مانوں گا۔

یہ ابراہیمی دعوت ہے، جو اپنے اندر کے انسان کی یہ آواز ہم تک پہنچاتی ہے۔ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

ترجمہ:۔ بے شک میری بندگی، میری نماز۔ मेरी उपासना वंदना अर्चना याचना स्तुति تن من اور دھن سب اسی ایک اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا सब संसारों का स्वामी है। مالک ہے۔ اس کے برابر کوئی نہیں، اس کا

ساجھی نہیں۔ بس مجھے تو اس نے یہی حکم دیا ہے اور میں اب صرف اسی راستے پر چلوں گا۔ اور میں سب سے اول اور پہلے بندگی کا صرف یہی راستہ اختیار کروں گا۔ اور میں نے اس ایک مالک کے حضور اپنی گردن ڈال دی ہے۔

اب یہ حقیقت سب کے سامنے کھلی ہوئی ہے کہ انسان کیلئے یہاں سب کچھ ہے اور انسان صرف اپنے مالک کیلئے۔ ذرا سا غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کیا سورج چاند ہمارے لئے ہے یا ہم سورج چاند کے لئے ہیں۔ تو سب کا جواب یہی ہوگا کہ سورج چاند ہمارے لئے ہیں۔

قدرت نے انہیں ہمارے لئے کام میں لگا رکھا ہے۔ سورج چاند بھلے موجود ہوں اور انسان نہ ہو تو اس دنیا کی رونق بھلا کہاں باقی رہے گی۔

ذرا بھی آدمی سوچے تو معلوم ہوگا کہ اس کائنات کی ایک ایک چیز انسان کیلئے قربانی دے رہی ہے۔ اسے نفع پہنچا رہی ہے۔ اس کی ضرورت پوری کر رہی ہے آسمان کے تارے سمندر میں ہم کو راستہ بتاتے ہیں۔ پہاڑ ہماری معدنیات کے خازن اور ملکی سرحدوں کے [illegible] ہیں ندیاں اپنے بہاؤ میں ہماری زندگی کی ضمانت لئے ہوئے چلتی ہیں۔ پانی نہ ہو تو زندگی کہاں؟

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ (قرآن)

اور پانی سے ہم نے ہر چیز کو زندگی دی، پھر بھی ان کو دکھائی نہیں دیتا۔

سمندروں نے غذا کا سامان فراہم کیا سفر کی سہولتیں اور ہیرے جواہرات کے مخزن ہمارے لئے محفوظ رکھے، ہوائیں، بجلی، رات دن، روشنی اندھیرا، بادل کی گھن گرج، زمین کی پیداوار، سمندروں کا جوار بھاٹا، ہوا کے پرندے، زمین کے چرند و پرند، جانوران کا دودھ، بریاں بال کھال، اور خوران کا وجود، ہماری سواری کا قدرتی انتظام۔ اور ان کا سارا کام کاج، نظم و ضبط، ہمارے لئے شہد اور موم کی قدرتی

کارخانے، جھاڑ، گھانس پھونس جنگل پھلوں کے باغیچے، کھیت کھلیان، کوئی کہاں تک بتائے کہ یہ سب انسان کے لئے نہیں تو پھر کس کے لئے؟ اور جب یہ تمام چیزیں انسان کے لئے، تو پھر انسان کس کے لئے؟ اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ بس انسان صرف اپنے پیدا کرنے والے کیلئے!!

جب انسان اتنا قیمتی جوہر بنا کر تمام عالم پر اس کی فضیلت ظاہر ہوئی تو خالق نے بھی اسے اپنے اچھے نقاب سے نوازا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل ع)

اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو ہم نے بہت عزت دی، اور اس کے لئے سواری کا انتظام کر دیا، زمین میں اور دریا میں، پھر کھانے کیلئے ستھری چیزیں عطا کر دیں، اور ہم نے بہت سی اپنی مخلوق میں اس انسان کو بہت فضیلت اور مرتبہ عطا کیا۔

جب انسان نے ایسی بلند حیثیت کا مرتبہ پایا ہے تو پھر اس انسان کو بھی اپنے آپ کا خیال رکھنا ہے اور اس کے دوسرے وسیع معنی یہ ہیں کہ پوری انسانیت کے قافلہ کا خیال رکھنا ہے۔

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ ابھی ابھی بیان کیا ہے وہ سب تو دھرتی پر جوں کا توں ہو اور اس دھرتی پر انسان موجود نہ ہو تو پھر یہاں کی چیزوں کی قیمت کیا ہوئی۔ اور یہ تمام چیزیں کس کام کی؟

بس آپ کو ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان کے سوچنے کا صحیح طریقہ وہی ہے جس کی نشان دہی اللہ کے نبیوں نے اور انکی کتابوں نے کی ہے۔ اور ہم کو یہاں سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم انسانی برادری کے لئے سوچیں اور یہ فیصلہ کریں کہ ہم دوسروں کیلئے کیا کچھ قربانی دے سکتے ہیں۔

آج کے دن ایک بڑے انسان نے اپنے خدا کے لئے قربانی پیش کی۔ خدا نے انسانی جان کا ادب و احترام قائم رکھا اور ابراہیم کو ندا آئی۔ کہ :۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ

ہم نے آواز دی اے ابراہیم ٹھہر جاؤ۔ ہم نے تمہاری قربانی قبول رکھی، اور انسانی جان کا ادب قائم کر دیا کوئی انسان کسی انسان کو بلا وجہ مار ڈالے یہ ہم کو پسند نہیں۔ ہم نے آزمائش کر لی، تم کو انسانیت کا امام بنایا، اور تمہارے نقش قدم کو عالمی برادری کا نشان بنا دیا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔

غزل

(از محمد حسین فطرت بھٹکلی)

جنبش تیغ عدو، پیک قضا محبوب ہے
راہ حق میں جاں نثاری کی ادا محبوب ہے

مجھ کو پیہم آہ و زاری اور دعا محبوب ہے
حق کو بھی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا محبوب ہے

قید و بندش، بھوک، بیماری، وبا محبوب ہے
تو اگر خوش ہے تو مجھ کو ہر بلا محبوب ہے

ریشم و کمخواب پر سونا مبارک ہو تجھے
مجھ کو اپنی چادر صبر و رضا محبوب ہے

اک خدا کا دین ہو غالب تمام ادیان پر
مجھ کو بس اتمام نور کبریا محبوب ہے

سب کو راس آتی نہیں یہ نعمت سوز و گداز
دردمندوں ہی کو شاعر کی نوا محبوب ہے

دوسرے ملکوں میں کب ہے یہ فضائے سازگار
مجھ کو ہندوستان کی آب و ہوا محبوب ہے

آدمی مثقال بھر نیکی سے پا سکتا ہے خلد
کوئی کیا جانے خدا کو کیا ادا محبوب ہے

جس کی جانب رہبری کرتا ہے قرآن مبیں
مجھ کو جنت کا وہ سیدھا راستہ محبوب ہے

ایئرکنڈیشنڈ ایوانوں سے میں بیزار ہوں
مجھ کو فطرت صبح کی ٹھنڈی ہوا محبوب ہے

بقیہ صـ۱: ٹائیٹل۔ کاش بیروت کا المیہ......

قتل عام نے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی منافرت اور تعصب بھی خاص طور پر عیسائی دنیا یا کم سے کم اس منطقہ میں اسی طرح زندہ ہے جس طرح چھٹی صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) میں یورپ کے صلیبی حملہ آوروں کے سینے میں موجزن تھا جنھوں نے شاہ رچرڈ وغیرہ کی قیادت میں فلسطین پر حملہ کیا تھا اور شہر قدس (یروشلم) میں مسلمانوں کا اتنا خون بہایا تھا کہ حملہ آوروں کے گھوڑے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے عیسائی مقالہ نگار کے مطابق گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و عیاں ہو گئی کہ کسی طاقت و عزم کے سامنے جو اپنے ناپاک مقاصد کو پورا کرنے پر تلی ہوئی ہو اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مسلح و منظم اور صاحب عزم طاقت نہ ہو، محض انسانی ضمیر، اخلاقی حس، انصاف و معقولیت پسند جماعتوں بلکہ حکومتوں کی ملامت و مذمت اقوام متحدہ جیسے عالمگیر ادارہ کا احتجاج اور اس کی تجاویز پر کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں اور ابھی تک اس متمدن دنیا میں جنگل کا قانون Might is Right کا اصول چل رہا ہے۔ آئندہ اس عالمی ضمیر World Conscience یا اقوام متحدہ United Nations یا اپنے ہمدردوں، معقولیت پسند انسانوں کی مذمت و ملامت اور مظاہروں سے امید رکھنا طفل تسلی، فریب نفس بلکہ خودکشی سے کم درجہ کی چیز نہیں، اس کی بے اثری اور بے وزنی جیسی اس المیہ کے موقع پر ظاہر ہو کر رہی ویسی عرصۂ دراز سے ظاہر نہیں تھی۔

اسی طرح یہ بات بھی ایک بدیہی حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں (امریکہ و روس) پر بھروسہ کر کے کوئی اقدام کرنا یا ان سے کوئی امید رکھنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور بدنصیبی ہے جس کا اب قطعاً کوئی جواز نہیں رہا نہ روس نے ان ملکوں کا ساتھ دیا (جیسے شام) جو اس کے کیمپ میں تھے نہ امریکا نے ان ملکوں کا ساتھ دیا جو اس کی حفاظتی چھتری کے نیچے تھے اور انھوں نے اس کو اپنے مفادات کا محافظ اور اپنے وجود و بقا کا ضامن سمجھا تھا بلکہ جہاں تک امریکا کا تعلق ہے اسرائیل اس کا وہ سدھایا ہوا کتا (کلب معلّم) ہے جو اپنے مالک کے اشارے و اجازت بلکہ حکم سے شکار پر دوڑتا ہے اور اس کو مار کر اس کے قدموں پر ڈال دیتا ہے۔ جدید معلومات و بیانات نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے امریکہ کے علم میں تھا یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس سب سے بڑے متمدن و ترقی یافتہ ملک کے ضمیر میں جو جانوروں اور پرندوں کی تکلیف بھی نہیں دیکھ سکتا مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ اسرائیل اور مارونیوں کی اس بربریت نے کوئی حرکت اور اثر پیدا نہیں کیا اور وہاں اس کے خلاف اتنے بھی مظاہرے نہیں ہوئے جتنے خود اسرائیل میں ہوئے۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ امریکہ لبنان کو مشرق وسطیٰ اور عربی دنیا میں اسی طرح اپنی چوکی اور ایک ایسی علیحدہ غیر مسلم (عیسائی) ریاست بنانا چاہتا ہے جو اس کے مفادات کی محافظ اور اس کی ایجنٹ ہو۔ ٹھیک جن مقاصد کے تحت برطانیہ نے عالم عربی کے قلب میں اسرائیل کو قائم کیا اور وہ اس وقت کے عرب حکمرانوں کی ضمیر فروشی، بے حمیتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب ہو گیا، جنھوں نے اس کے منشا کی تکمیل میں اپنے حقیر و محدود مقاصد کی خاطر کوئی سنجیدہ اور باعزم مزاحمت نہیں کی۔ بلکہ اپنی پبلک کو دھوکا دینے کے لئے جنگ کا ایک ڈرامہ کھیلا جس میں ان کو صرف اتنا ہی کردار ادا کرنا تھا جس کی ان کے اولیائے نعمت کی طرف سے اجازت یا مقصد براری کے لئے ضرورت تھی۔ راقم الحروف کو اپنے ۱۹۵۱ء کے سفر بیت المقدس میں معتبر راویوں اور چشم دید گواہوں کے ذریعہ (جنھوں نے تنہائیوں میں رو رو کر یہ داستان غم سنائی تھی)، ان حقائق کا یقینی علم ہے اور وہ اپنے سفرنامے و روزنامچے (مشرق وسطیٰ کی ڈائری) میں ان حقائق کا اظہار کر چکا ہے۔

ان حقائق کے ساتھ جن کا تعلق بیرونی طاقتوں، حملہ آور تنظیموں اور ان کا ساتھ دینے والوں سے ہے۔ اس حقیقت کا بھی علم و انکشاف اور اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اس المیہ اور قیامت خیز واقعہ کے موقعہ پر جس کے سامنے تمام مسلمانوں کی گردنیں جھک گئیں اور ان کو دنیا کے ہر حصہ میں اپنی ذلت و ہزیمت کا احساس ہوا عالم اسلام کی جس بے بسی اور عالم عربی کی جس بے حمیتی و بے حسی کا اظہار ہوا جس سے ان دونوں کو کلیۃً بری نہیں قرار دیا جا سکتا اس کی اصل ذمہ داری مشرق وسطیٰ کی عرب حکومتوں پر ہے، مسلم و عرب عوام (جیسا کہ مجھے خاص ذرائع سے معلوم ہے) اس وقت سخت روحانی کرب اور قلبی اذیت میں مبتلا ہیں لیکن پچھلے واقعات کے نتیجہ میں اور بڑی طاقتوں کے اشارے و مشورے پر ان کو بالکل بے بس بنا دیا گیا ہے۔

اس وقت بھی مشرق وسطیٰ میں ایسے بڑے طاقتور اور مسلم عرب ملک ہیں جو تنہا اسرائیل کا مقابلہ کر سکتے ہیں لیکن ان کی ساری طاقت صلاحیت و ذہانت اپنی ہی قوموں اور باشندگان ملک کے دینی جذبات، اسلامی حمیت اور اظہار خیال کی آزادی اور ایک بہتر اسلامی معاشرہ اور اسلامی زندگی کی خواہش و مطالبہ کو کچلنے اور ہمیشہ کے لیے ان سے خلاصی حاصل کر لینے میں صرف ہو رہی ہے اور اصل میدان جنگ اور معرکہ ان حکومتوں اور قوموں کے درمیان ہے جو ایک طرف اس کی فرصت نہیں دیتا کہ وہ مشترک خطرے کی طرف توجہ کر سکیں۔ دوسرے انھوں نے اس طاقت ہی کو کمزور و مجبور کر دیا جو حق و باطل اور انصاف و ظلم کی اس جنگ میں ان کے کام آتی اور اپنے جذبۂ ایمانی اور سرفروشی و جاں سپاری کے وہ نمونے پیش کرتی جو قرون اولیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں اور جس کا تھوڑا سا نمونہ ۴۸-۱۹۴۷ء میں انھوں نے عرب و اسرائیل کی جنگ میں فلسطین کے میدان میں دیکھا تھا۔

پھر ان حکومتوں کے ساتھ مختلف درآمد کئے ہوئے فلسفوں اور ذاتی اغراض کی بنا پر اختلاف و انتشار کی وہ علت لگی ہوئی ہے جس کو صرف وحدت اسلامی، جذبۂ ایمانی یا مشترک دشمن کے خطرے کا شدید احساس ہی دور کر سکتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ ان عرب حکومتوں میں اور ان ملکوں میں جنھوں نے قومیت اشتراکیت اور البعث العربی کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے بلند کر رکھے ہیں، متحد کرنے والی ان طاقتوں کا یکسر فقدان ہے پھر اس کے ساتھ یہ بھی ایک المناک حقیقت ہے کہ جو ممالک نسبتاً ان درآمدہ فلسفوں سے بچے ہوئے ہیں ان کو دولت کی بہتات اور عیش و تنعم گھن کی طرح کھا چکا ہے اور اس نے ان کو کسی مہم جوئی، جفاکشی اور سرفروشی کے قابل نہیں رکھا۔ ان کو تو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ امریکی کمپنیوں اور مال کا مقاطعہ کر کے امریکہ کے طرز عمل سے اپنی بیزاری یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس طاقت میں تشویشناک حد تک انحطاط و زوال پیدا ہو چکا ہے جس کو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:۔

"وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ"
([illegible])

ظہر و عصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے، تاہم ابتدائی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورۃ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور وہاں اپنا کام کرتا تھا پھر پلٹ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا، اور پہلی رکعت میں جاکر شامل ہوجاتا تھا، صحابہ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اول دو رکعتوں میں آپ اسقدر قیام فرماتے ہیں جس میں الٓمٓ تنزیل السجدہ کے برابر سورہ پڑھی جاسکتی ہو، اخیر کی دو رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی، عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے، اور اخیر کی دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی، حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اس کے نصف کے برابر اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے،

جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ظہر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھتے تھے،

مغرب کی نماز میں والمرسلات اور سورہ طور پڑھتے تھے،

عشاء کی نماز میں والتین والزیتون اور اسی کے برابر سورتیں پڑھتے تھے،

تہجد کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، مثلاً سورہ بقرہ، اور سورہ آل عمران، سورۂ نساء،

جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ جمعہ یسبح للہ ما فی السموٰت اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنٰفقون اور کبھی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ،

عیدین میں بھی دو پچھلی سورتوں یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هل اتاك پڑھتے تھے، اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑجاتا تو دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھا کرتے تھے،

جمعہ کے دن کی نماز میں الٓم تنزیل السجدہ اور هل اتی علی الانسان حین من الدهر پڑھنے کا معمول تھا۔

معمولات خطبہ وعظ و پند اور ارشادات و ہدایت کے لئے آپ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے، بالخصوص جمعہ کے لئے تو خطبہ لازم تھا، جمعہ کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہوجاتے تو آپ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے مسجد میں داخل ہوتے اور لوگوں کو سلام کرتے، پھر منبر پر تشریف لیجاتے تو لوگوں کی طرف رخ کرکے سلام کرتے، اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کردیتے، پہلے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا، لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا، خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہے، جمعہ کے خطبہ میں عموماً سورہ قٓ پڑھتے تھے، اس میں قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے، اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آجاتا تو منبر سے اتر کر اس کو کرلیتے پھر منبر پر جاکر خطبہ کو پورا کرتے، ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے، اسی حالت میں ایک آدمی نے آکر کہا یا رسول اللہ میں مسافر آدمی ہوں اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہوں اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں؛ آپ منبر پر سے اتر آئے، ایک کرسی رکھ دی گئی، اس پر بیٹھ گئے اور اسکو تعلیم و تلقین کی، پھر جاکر خطبہ کو پورا کیا، ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے امام حسین علیہ السلام سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آگئے، چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ضبط نہ ہوسکا، منبر سے اتر آئے اور گود میں اٹھالیا، اور یہ آیت پڑھی انما اموالکم واولادکم فتنۃ

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے چنانچہ ایک خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا، آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے نماز پڑھی، اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا، اٹھو اور پڑھو،

میدان جہاد میں جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ہاتھ میں تلوار لیکر کھڑے ہوتے تھے، لیکن ابن قیم نے لکھا ہے کہ آپ نے خطبہ کی حالت میں کبھی تلوار ہاتھ میں نہیں لی،

وعظ و ارشاد کے لئے عموماً ناغہ دے کر خطبہ دیا کرتے تھے، تاکہ لوگ گھبرا نہ جائیں

معمولات سفر حج، عمرہ اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات پر قرعہ ڈالتے، جس کے نام قرعہ پڑتا، وہ ہم سفر ہوتیں جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے اور صبح کے تڑکے روانہ ہوجاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے، جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہوجاتے تو تین بار تکبیر کہتے، اسکے بعد یہ آیت پڑھتے۔

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ

(پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنادیا حالانکہ ہم خود اس کو مطیع نہیں کرسکتے تھے اور ہم اپنے خدا کی طرف پلٹنے والے ہیں۔)

پھر یہ دعا کرتے،

اللهم انی نسئلك فی سفرنا هذا البر والتقوى ومن العمل ما ترضى اللهم هون علينا سفرنا واطو عنا بعده اللهم انت الصاحب فی السفر والخليفة فی الاهل اللهم انی اعوذ بك من وعثاء السفر وكآبة المنقلب وسوء المنظر فی الاهل والمال۔

(خداوندا اس سفر میں ہم تجھ سے نیکی، پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں خداوندا ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کردے، خداوندا سفر میں تو رفیق ہے، بال بچوں کے لئے تو ہمارا قائم مقام ہے، خداوندا میں سفر اور واپسی کے آلام مصائب اور گھربار کے مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں)

جب واپس ہوتے تو اس میں اس قدر اضافہ کردیتے آئبون، تائبون، عابدون لربنا حامدون، راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو زمزمۂ تسبیح ہوتے، صحابہ بھی آپکے ہم آواز ہوکر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے،

یا ارض ربی وربك الله اعوذ بالله من شرك وشر ما فيك وشر ما خلق فيك وشر ما يدب عليك واعوذ بك من اسد واسود ومن الحية والعقرب ومن ساكنی البلد ومن والد وما ولد۔

(اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے، میں تیری برائی کی اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر پیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر چلتی ہے پناہ مانگتا ہوں خداوندا تجھ سے شیر، سانپ اور بچھو اور اس گاؤں کے رہنے والے اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں)

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا فرماتے۔

اللهم [illegible]

اضللن ورب الارضين السبع وما اقللن ورب الشياطين وما اضللن ورب الرياح وما ذرين اسألك خير هذه القرية وخير اهلها واعوذ بك من شرها وشر اهلها وشر ما فيها۔

(خداوندا اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ فگن ہیں، اے ساتوں زمینوں اور ان تمام مخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں، اے شیاطین اور ان پر تمام نفوس کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں، اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی ہیں، میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں)

مدینہ پہونچتے تو پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر مکان کے اندر تشریف لیجاتے تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں تاکہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلیں،

معمولات جہاد جہاد میں معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے رفقا کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے، پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہوکر فرماتے۔

اغزوا باسم الله فی سبيل الله قاتلوا من كفر بالله اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا وليداً۔

(خدا کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو، خیانت اور بدعہدی نہ کرنا، مردوں کے ناک کان نہ کاٹنا، بچوں کو قتل نہ کرنا)

اس کے بعد شرائط جہاد کی تلقین کرتے، جب فوج کو رخصت کرتے، تو یہ الفاظ فرماتے،

استودع الله دينكم وامانتكم وخواتيم اعمالكم،

(میں تمہارے دین کی، امانت کو، اور تمہارے اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالے کرتا ہوں)

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہونچتے تو صبح کا انتظار کرتے صبح ہوجاتی تو حملہ کرتے، اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا، تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے، جب کوئی مقام فتح ہوجاتا تو اقامت عدل و انصاف کے لئے وہاں تین دن تک قیام فرماتے جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدہ شکر بجالاتے جب میدان جہاد میں شریک کارزار ہوتے تو، دعا فرماتے،

اھل بك اصول وبك اقاتل،

(خداوندا تو میرا دست و بازو ہے تو میرا مددگار ہے تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں)

معمولات عیادت وغیرہ بیماروں کی عیادت و غمخواری آپ ضرور فرماتے تھے، اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے، ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا تو صحابہ آپ کو اسکی اطلاع دیتے، آپ اسکے مرنے سے پہلے تشریف لاتے، اسکے لئے دعائے مغفرت فرماتے، اور اخیر دم تک اسکے پاس بیٹھے رہتے، یہانتک کہ دم واپسیں کے انتظار میں آپ کو اس قدر دیر ہوجاتی کہ آپ کو تکلیف ہونے لگتی، صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا، اور اب ان کا یہ معمول ہوگیا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو آپ کو اسکی موت کی خبر دیتے، آپ اسکے مکان پر تشریف لے جاتے، اس کے لئے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے، اسکے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے، ورنہ واپس چلے آتے لیکن صحابہ کو آخر آپ کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی اسلئے خود جنازہ آپ کے مکان تک لانے لگے، اور یہی عام معمول ہوگیا،

عیادت کے لئے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لیجاتے تو اسکو تسکین دیتے، پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے، اسکی صحت کیلئے دعا فرماتے اور کہتے انشاء اللہ طھور خدا نے چاہا تو خیریت ہے، کوئی بدفالی کے فقرے کہتا، تو ناپسند فرماتے، ایک بار ایک اعرابی مدینہ میں آکر بیمار پڑگیا، آپ اسکی عیادت کو تشریف لے گئے، اور کلمات تسکین ادا فرمائے، اس نے کہا تم نے خیریت کہا شاید تپ ہے، جو قبر ہی میں لاکر چھوڑے گی۔ آپ نے فرمایا اب یہی ہوا

معمولات ملاقات معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام کرتے اور مصافحہ کرتے کوئی شخص اگر جھک کر آپ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اسکی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود نہ چھوڑدے مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑدے اسکا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے،

جو شخص حاضر ہونا چاہتا تھا اور دروازے پر ہوکر السلام علیکم کہتا، پھر پوچھتا کہ کیا آسکتا ہوں؟ خود بھی آپ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے، کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا تو آپ اسکو واپس کردیتے، ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا، اور دروازہ پر کھڑا ہوکر پکارا کہ اندر آسکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ جاکر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھادو، یعنی پہلے سلام کرے تب اجازت مانگے،

ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہات دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں، کلدہ یونہی بے اجازت چلے آئے، آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور سلام کرکے اندر آؤ،

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی آپ نے پوچھا کون ہے؟ بولے میں، آپ نے فرمایا "میں میں" یعنی یہ کیا طریقہ ہے، نام بتانا چاہیے،

جب آپ خود کسی کے گھر جاتے تو دروازہ کے داہنے یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور السلام علیکم کہہ کر اذن طلب فرماتے (راوی کا بیان ہے کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اس وقت تک دروازوں پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہوکر اذن طلبی کے لئے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا سعد نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے حضرت سعد نے کہا چپ رہو رسول اللہ بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لئے برکت کا سبب ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعد نے پھر اسی طرح جواب دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہیں ملا تو آپ واپس چلے، حضرت سعد نے آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا کلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا (کہ آپ بار بار سلام فرمادیں) کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے، ایک بار آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے مکان پر تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لئے چمڑے کا ایک گدا ڈال دیا لیکن آپ زمین پر بیٹھ گئے اور گدا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت عبداللہ کے درمیان آگیا۔

معمولات عامہ تیمن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ کو محبوب تھا، جوتا پہلے داہنے پاؤں میں پہنتے، مسجد میں پہلے داہنا پاؤں رکھتے، مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے، اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے۔

بقیہ ص ۲۱

وترجون من الله ما لا يرجون۔ (النساء ۔ ۱۰۴)

(اور دشمنوں کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔ اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے)۔

جس طاقت اور جذبۂ ایمانی کے مظاہر قرون اولیٰ کے مسلمانوں، درمیانی وقفوں کے جانبازوں اور تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) کے وسط میں حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ کے ترتیب کئے ہوئے ساتھیوں میں نظر آئے، افسوس ہے کہ سید صاحب کی تحریک کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو برس سے اس جذبۂ ایمانی اور جذبۂ قربانی کو زندہ کرنے کی کوئی مؤثر اور منظم دعوت (کسی قدر مصر کے اخوان کو مستثنیٰ کرکے) سامنے نہیں آئی اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کی اس بےبسی اور بےکسی، بےحمیتی اور بےحسی اور اسرائیل اور مارونی فرقے کی بیباکی اور بےپرواہی کی شکل میں نظر آرہا ہے۔

آج سے ۹۔۱۰ سال پہلے ۱۹۷۳ء میں راقم سطور نے بیروت کے چند روزہ قیام کے بعد اپنے سفرنامہ (دریائے کابل سے دریائے یرموک تک) میں ان احساسات اور خطرات کا اظہار کیا تھا جو اب واقعہ بن کر سامنے آگئے۔ مصنف کو اسی وقت اندازہ ہوگیا تھا کہ فلسطینی مجاہدین اور پناہ گزیں بیروت میں ناخواندہ مہمان کی طرح مقیم ہیں اور وہاں کی عیسائی آبادی اور حکومت نے ان کو دل سے قبول نہیں کیا ہے اور کئی بار فلسطینیوں اور لبنانی فوج میں جھڑپیں ہوئیں۔ یہاں اس اقتباس کا نقل کردینا بے محل نہ ہوگا۔

"(۳۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو) ہم فدائین کے مرکز سے گزرے جہاں لبنانی فوج اور فدائین کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ متقابل مذہبی جذبات اور متصادم سیاسی اغراض نے اس معرکہ میں کیا کردار ادا کیا ہے ملک کی زندگی اور آبادی کے مختلف عناصر کے باہمی تعلقات پر اس جنگ کا کتنا گہرا اثر ہے۔ عمارتوں کی دیواروں میں گولیوں اور بموں کے نشان اور لوگوں کے دلوں میں ان کے ناسور دیکھے، پناہ گزینوں اور فلسطینیوں کا مسئلہ جس پیچیدگی، ابہام اور تضاد کا شکار ہے جس کی نظیر موجودہ دنیا کے دوسرے مسائل میں ملنا مشکل ہے۔ اس کے سمجھنے میں مدد ملی۔

اس علاقہ سے بھی ہمارا گزر ہوا جہاں فلسطینی پناہ گزیں رہتے ہیں۔ اس علاقہ میں افلاس، پسماندگی، گندگی، اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی، بےاعتمادی اور موجودہ حالات سے بیزاری عام ہے، یہ تمام چیزیں اس ملک کے لئے نہیں پوری عرب دنیا کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں، یہ صورتحال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی خواہ اس کے دور کرنے میں کتنا ہی وقت لگے اور اس پر پردہ ڈالنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے۔

دوسری طرف پورا ملک زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہورہا ہے اور ہر جگہ دولت کی ریل پیل ہے۔" (ص ۱۲۴)

خدا کرے یہ واقعہ ہائلہ جس نے سارے عالم کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے عالم اسلام بالخصوص عالم عربی کی قیادتوں کے اتحاد، اخلاص و عزم اور مسلمانوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور نئی بیداری اور تیاری کا سبب بن جائے کہ اس سے کم درجہ کی چیز سے اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ کہ

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

طلبہ کا صفحہ

خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

آفتاب عالم فضیلت دوم

اسلام ایک زندہ اور سچا خدائی مذہب ہے، اسلام اخلاق و عقیدہ، علم و سیاست، عقل و جذبات، تہذیب و ثقافت، حق شناسی و حق گوئی، راست بازی و راست گفتاری، عدل و توازن، عفت و طہارت، تسلیم و رضا، شکر و قناعت، غمخواری و حسن سلوک، ایثار و جاں سپاری، خالق و مخلوق دونوں سے ارتباط اور جسم و روح کے اتحاد کی معتدل آمیزش کا نام ہے۔ اس کے خاص آئین و قوانین، محدود و متعین اقدار، نہایت جچے تلے پیمانے اور جانی پہچانی کسوٹی ہے۔ کسی بھی معاملہ میں تلفیق و مجاملت، بیجا رعایت و رواداری، ضمیر فروشی و سودا بازی، انانیت و خود پرستی، باطل سے ساز باز اور اس کی ہمنوائی اسلام کی فرہنگ سے خارج ہے۔ اس طرح اسلام اپنی روح اور اپنے مقاصد، اپنے مذاق اور اپنی طبیعت کے اعتبار سے ہر قسم کے طغیان و تشدد، جور و جفا، بدسلوکی و بداخلاقی، تحقیر و عصمت دری، بربریت و دھاندلی، مصلحت کوشی و مفاد پروری، لاقانونیت اور ناانصافی، بطالت اور بے عملی، پسپائی و راہ واہی اور امن و سکون اور اطمینان و اعتماد سے معمور فضا پر پانی پھیر دینے والی ہر طاقت کے خلاف صدائے احتجاج اور اعلانِ بغاوت ہے ؎

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھکر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

اسی لئے سارے بین الاقوامی ممالک، عالمی اسلام مخالف طاقتیں، انٹرنیشنل کیمپ اور سیکولر تحریکیں اسلام کے اثر و رسوخ اور اس کے تفوق و بالادستی کا خاتمہ کرنے کے لئے ہمیشہ اسلام سے دست و گریباں رہیں اور زبان قال یا زبان حال سے یہ کہتی رہیں ؎

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں

الحاد و لادینیت، مادیت و ظاہر پرستی، تحریفات و تاویلات اور عقلیت و تجدد کا اسلام کے قلب و جگر پر بار بار حملہ ہوا۔ مشرکانہ اعمال و رسوم، عجمی اثرات اور نفس پروری و تعیشات نے اسلام کے اعصاب کو بار بار جھنجھوڑا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اسلام نے اپنی زندہ جاوید تعلیمات حرارت و زندگی سے لبریز نہایت لچکدار اصول و اقدار، نرم روی و سبک رفتاری سے معمور نظام حیات اور اپنی تیار کردہ "مردم خیز" جماعت کے سرکف مجاہدین اور قدسی نفوس جاں سپاروں اور سورماؤں کے ذریعہ نہ صرف ان نبرد آزما باطل طاقتوں کے تار و پود بکھیر کر اپنی ہستی اور اپنا وجود برقرار رکھا بلکہ زندگی کے ہنگامہ خیز میدان میں نئی نئی فتوحات سے شادکام ہوا۔ یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون ٥

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے حفظ و بقاء کے لئے تین عجیب و غریب غیبی انتظامات فرمائے:-

۱۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کی مکمل حفاظت فرما کر دین اسلام کے حفظ و بقا اور ہر قسم کی تحریف و تغیر اور نقص و زیادتی سے دور رکھنے کا خود ذمہ لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، انہ لکتاب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ اس آیت کی رو سے اس کے مسخ ہو جانے، کسی ہرزہ کاری کا تختۂ مشق بننے، یادداشت سے نکل جانے یا کسی حادثہ میں تلف ہو جانے سے بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اس کتاب کو اس کی اصلیت، امتیازات و خصوصیات اور جمیع لوازمات کے ساتھ باقی رکھنے کا فیصلہ فرما لیا تو نفوس بشری، فطری و خارجی اسباب اور حوادث روزگار کو اس مقصد جلیل کی تکمیل کے لئے اس طرح مسخر فرما دیا کہ عقلیں اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہیں اور دل بے اختیار "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کی عظمت و صداقت کی شہادت دینے لگتا ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب اپنی کتاب قرآن کے اصول و مبادی میں رقمطراز ہیں:-

"قرآن کا سرچشمہ اور مآخذ "علم الٰہی" ہے اور اس کے نزول کا ذریعہ "وحی الٰہی" ہے۔ یہ سرچشمہ ہر قسم کے عیب و نقصان، ظن و تخمین، شک و اشتباہ، تدریج و ترقی، اور تعارض و اختلاف سے پاک ہے اس میں جو کچھ ہے وہ مرئی اور مشاہد ہے، قطعی اور یقینی ہے، یکساں اور آخری ہے۔"

احادیث نبوی کی حفظ و اشاعت اور بقاء و تسلسل کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح غیبی انتظامات فرمائے اور سیکڑوں کی تعداد میں ایسے بلند حوصلہ، تازہ دم اور متحرک اشخاص مہیا فرما دیے جو قوت حافظہ، ذکاوت و بصیرت اور عالی دماغی میں اپنی مثال آپ تھے۔ پھر اللہ نے ان کے اندر اپنے رسول کا ایسا عشق، حدیث رسول کی ایسی کشش اور اس کی تدوین و تحقیق کی ایسی لگن پیدا فرما دی کہ ان کے لئے چین سے بیٹھنا اور سونا مشکل ہو گیا تھا اور ان کی زبان حال کہتی تھی کہ ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کسی ایک حدیث کے لئے سیکڑوں بلکہ ہزاروں میل کا پر مشقت اور جانکاہ سفر کرنا اور اس کی خاطر تن من دھن کی بازی لگا دینا ان کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اس توجہ اور انہماک، باریک بینی و دقیقہ رسی، عزم و لگن اور عرق ریزی اور صحرا نوردی و بادیہ پیمائی کا کچھ اندازہ محدثین کرام کے ان روح پرور اور ایمان افروز واقعات سے ہو سکتا ہے جنھیں سنکر دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی توجیہ و تاویل سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا کو کتاب و سنت کی حفاظت کر کے دراصل شجر اسلام کو پھلتا پھولتا اور مہر اسلام کو تاباں و درخشاں رکھنا تھا۔

۲۔ اسلام کی تعلیمات نہایت ٹھوس، پختہ، مکمل اور جامع ہیں۔ اخلاقیات و معاشیات، سیاسیات و اعتقادیات، غرض زندگی کے تمام شعبوں کے مسائل کے احتساب و نگرانی پھر ان کی دستگیری و رہنمائی کرنے کی اسلام کے اندر پوری صلاحیت ہے۔ وہ اپنی زندۂ جاوید تعلیمات، گنجینۂ علوم و معارف اور سرچشمۂ علم و معانی کی بدولت رواں دواں زندگی کا ساتھ دینے کے لئے نہ صرف ہر وقت تازہ دم ہے بلکہ وہ زندگی کا گارجین اور اتالیق بھی ہے۔ اسلام اگرچہ چند عقائد و حقائق، جچے تلے قوانین، بلند آئین و اقدار اور مربوط و محکم احکام پر مبنی ہے لیکن تاریخ کے ہر نئے باب پر دستک دینے، زندگی کے ہر نشیب و فراز سے الجھنے اور اس کے ہر بدلتے مسائل کا مقابلہ کرنے کا اسلام دم خم رکھتا ہے۔ یہاں خود آگاہی بھی ہے اور خدا مستی بھی، روح کا ساز بھی ہے اور قلب کا گداز بھی، فطرت کی سادگی بھی ہے اور جذبات احساسات کی رعایت بھی، خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات بھی ہے اور وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل بھی، ماضی کی فکر بھی ہے اور حال سے آگہی بھی، خدا کی رضا کے حصول کی کوشش بھی ہے اور خلق خدا کی خدمت کا جذبہ بھی، انسان دوستی بھی ہے اور خدا ترسی بھی، انسانیت کا تقدس و احترام بھی اور اس کے حقوق کا تحفظ بھی، کاروان حیات کی سبک گامی بھی ہے اور جرس حیات کی شیریں نوائی بھی۔ چنانچہ جب فلسفہ کا ستارۂ عروج و اقبال بلند ہوا اور لوگ فلسفہ کی چشم و ابرو کے ایسے غلام ہوئے کہ اس سے ادنیٰ انتساب کو طغرائے امتیاز سمجھا جانے لگا، تو اسلام نے پسپائی نہیں اختیار کی بلکہ فلسفہ کی آنکھوں سے آنکھیں ملائیں اور فلسفہ کا تحقیقی مطالعہ کر کے خود فلسفہ سے فلسفہ کی دھجیاں اڑا دیں اور قافلۂ حیات کے ساتھ نہایت وقار و متانت کے ساتھ رواں دواں رہا۔ آج علم و نظر اور سائنس و ٹکنالوجی میں کس قدر ترقی ہو گئی ہے، علمی اکتشافات، صنعتی ایجادات اور دیگر نئے نئے مسائل اسلام کی راہ میں سنگ گراں بن کر آتے ہیں لیکن اسلام اسی نرم روی اور سبک گامی کے ساتھ قافلۂ زندگی کا ساتھ دے رہا ہے، بلکہ جدید آلات و وسائل، علمی تحقیقات اور برق و فولاد کو نیک غرض اور بلند مقصد کا ذریعہ بنانے کے لئے اتالیق و محتسب بن کر تاریخ کے اسٹیج پر آتا ہے اور ملکوں، شہروں اور بستیوں کو تاخت و تاراج کر دینے والے راکٹ و طیارے، کیا شاہ کیا گدا، کیا رند کیا زاہد، کیا شاعر کیا فلسفی، کیا خرقہ پوش کیا کج کلاہ، کیا اجنبی کیا آشنا، کیا شیعہ کیا سنی، کیا حنفی کیا وہابی غرض بچے بوڑھے، لنگڑے لولے، اپنے پرائے، دوست دشمن، ادنیٰ اعلیٰ، دانا بینا سب کو موت کا لقمۂ تر بنا دینے والے بم و بارود۔ اور فحش و بے حیائی، اسلام کے خلاف پروپیگنڈے، شرم و حیا سے عاری مضامین، کذب و دروغ بے سر و پا افواہیں اور ہر سفید و سیاہ کی اشاعت کرنے والے لاسلکی ذرائع سے ہر بدفالی لینے والے اور انھیں دشنام و ملامت کا نشانہ بنانے والے کو اسلام اپنا بے لاگ اور دو ٹوک فیصلہ سناتا ہے کہ "انما طائرکم معکم"۔ یہ آلات و وسائل بذات خود نہ خیر ہیں نہ شر ان کی افادیت و مضرت کا سارا انحصار صرف اس پر ہے، اگر انھیں نیک و عالی مقصد کے حصول اور عزت و شرافت کے فروغ کے لئے استعمال کیا جائے گا تو آنکھیں "نورٌ علیٰ نور" کے کیف آور اور صدا بہار منظر سے شیریں دہن ہوں گی ورنہ وہی وسائل شجرۂ عز و شرف کے لئے تیشہ و تبر اور خرمنِ امن و اماں کے لئے برقِ بے اماں ثابت ہوں گے۔

دنیا میں کتنے ہی فلسفے، نظریات، مکاتب فکر، تحریکوں اور دعوتوں نے جنم لیا اور جاں بلب انسانیت کے مداوا اور اس کو فکر و پیغام کی دولت سے مالا مال کرنے کے لئے کارگہ حیات میں قدم رکھا لیکن بہت جلد تعطل و بے عملی اور انحطاط و زوال کا شکار ہو کر گوشۂ گمنامی میں پہونچ گئیں، ان کے زوال کا ایک مرکزی اور بنیادی سبب یہ تھا کہ ان کی تعلیمات بشری تقاضوں اور انسانی طبیعتوں کی رعایت کے عنصر سے تہی دامن تھیں، اس کے برخلاف اسلام کی تعلیمات انسان کی فطرت سلیم کے عین مطابق ہیں۔ الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیئ من الدلجۃ۔ اسلام تبدیل فطرت کے لئے نہیں تکمیل فطرت کے لئے آیا ہے، اس کا مقصد ازالۂ فطرت نہیں امالۂ فطرت ہے جنگ و جدال اور شجاعت و دلیری عربوں کا طرۂ امتیاز تھی، اسلام نے ان کے شعلۂ شجاعت کو سرد نہیں کیا بلکہ صرف قبائلی خانہ جنگی کو جہاد فی سبیل اللہ کی طرف پھیر دیا، عرب فراخ دل اور عالی حوصلہ تھے لیکن ان کی فیاضی اور اولوالعزمی نام و نمود میں صرف ہو رہی تھی۔ اسلام نے اس کا مصرف راہ خدا کو بنا دیا، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں کتنی ہمہ گیری و آفاقیت، کیسی جامعیت و اعتدال، کتنی لچک اور توسع اور کیسی حرارت و زندگی ہے، نیز ان کی اسلام کے بقاء و تحفظ اور دوام و تسلسل میں کتنی اہمیت ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بقاء اور تسلسل کا تیسرا انتظام یہ فرمایا کہ وہ ہر دور میں اس دین کو ایسی نابغۂ روزگار ہستیوں سے نوازتا رہے گا، جو امت اسلامیہ کو صدائے حق سے گوش بر آواز، اور سوزش عشق و جذب سے دلوں کی بجھتی ہوئی انگیٹھیوں کو شعلہ بار کرتی رہیں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہ امت تاریخ عالم میں جیسی مردم خیز ثابت ہوئی دنیا کی قوموں اور امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ محض اتفاقی بات نہیں (اسلام میں اتفاق نام کی کوئی چیز نہیں) بلکہ انتظام الٰہی ہے کہ نہایت مناسب اوقات میں ایسے اعلام و صنادید تاریخ کے افق پر ابھرے، جنھوں نے ایمان و یقین کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلۂ جوالہ کی حرارت اور پارے کی بیتابی بخشی اور مجموعًا یا افرادًا اس دین کو تازہ اور اس امت کو سرگرم عمل رکھا۔

چنانچہ آپ دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا تو اسلام کے ایک مرد مجاہد حضرت ابو بکرؓ نے اس کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں ؎

وہ حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

عہد اموی میں جب حکومت کا محور کتاب و سنت کے بجائے عربی سیاست اور ملکی مفاد بن گیا، اعمال و اخلاق کے محرکات اجر و ثواب کے بجائے مدح و ستائش بن گئے، اسلام کے احترام اور اسلام پر فخر کے بجائے عربی نخوت اور جاہلی عصبیت کا گن گایا جانے لگا تو عمر ابن عبدالعزیزؒ کی ذات معجزہ بن کر رونما ہوئی۔ موصوف نے ایک ایسی حکومت کی داغ بیل ڈالی جسے بجا طور پر "خلافت راشدہ" کا لقب دینا چاہئے۔

عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد حکومت کا پرنالہ پھر وہیں گرنے لگا۔ جاہلیت نے اپنے خونیں پنجے دوبارہ مضبوطی سے گاڑ لئے اور ایمان و عمل صالح کا عظیم و گرانقدر سرمایہ معرض خطر میں پڑ گیا اس پر آشوب وقت کی دعوت مبارزت پر خدا کے جن برگزیدہ بندوں نے لبیک کہی ان میں سرفہرست سعید بن جبیرؒ، ابن سیرینؒ اور حضرت حسن بصریؒ تھے۔

دوسری صدی میں جب عقیدۂ خلق قرآن ایک فتنہ بن کر اٹھا اور بیسیوں اساطین علم و فن اور اکابر فضل و کمال مامون و معتصم اور واثق لگاتار تین عظیم الشان فرمانرواؤں کی شمشیر استبداد کے شکار ہو گئے تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اس فتنہ سے نبرد آزما ہو کر اپنے بے نظیر استقلال و استقامت سے ہمیشہ کے لئے اس فتنہ کی بیخ و بن اکھیڑ کر دی اور ثابت کر دیا کہ اس تمام کائنات ہستی میں میرے سر کو جھکانے والی صرف دو چیزیں ہیں کتاب اللہ و سنت رسولؐ اس کے سوا دین میں نہ میرے لئے کوئی دلیل ہے نہ علم ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

تیسری صدی کے اوائل میں جب فتنۂ اعتزال اور تعمق فی الدین نے سر اٹھایا اور کتاب و سنت کے لئے ایک زبردست خطرہ بن کر ظاہر ہوا تو اس فتنہ عالم آشوب میں دین کی حفاظت کا عظیم الشان کام ابوالحسن اشعریؒ کے ہاتھوں انجام پایا۔

پانچویں صدی میں فلسفہ کا چہار دانگ عالم میں طوطی بول رہا تھا اور باطنیت کا فتنہ اسلام کے نظام اعتقاد اور نظام فکر کے خلاف ایک ایسی منظم سازش بنکر ابھرا جس سے اسلام کی پوری عمارت کو ڈانواڈول کیا جا سکتا تھا، لیکن اس قیامت خیز طوفان کے مقابلہ کے لئے علامہ فخر الدین رازیؒ اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی شخصیت مطلع عالم پر نمودار ہوئی۔

چھٹی صدی میں جب صلیبی حملوں نے حد سے زیادہ سر اٹھایا اور مسیحی یورپ نے ظلم و ستم کی حدوں کو پار کر کے آسمان و زمین کے قلابے ملا دینے چاہے تو اسلام نے ان کی سرکوبی کے لئے نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو میدان کارزار میں اتارا۔

تاتاری یورش نے جب برسوں سے پکتے ہوئے جوش و انتقام کے لاوے کو چھوڑ دیا اور بغض و حسد کا آتش فشاں جور و جفا اور سفاکیت و خونریزی کے انگارے اگلنے لگا اور قریب تھا کہ سارا عالم اس یلغار کا لقمۂ تر بن جاتا تو چند اہل اللہ اور ارباب صدق و صفا کے اخلاص و محبت نے ان بھڑکتے شعلوں کو سرد کیا اور چشم عالم نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ وہی مسلمانوں کے ایک ایک قطرۂ خون کے پیاسے خود اسلام کا دم بھرنے لگے اور وہی دشمنان دین، اسلام کے نقیب اور پاسبان حرم ثابت ہوئے ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

ساتویں صدی میں سارا عالم کلامی بحران کا شکار تھا۔ عقلیت و ظاہر پرستی کی مسلسل آندھیوں سے حرارت عشق کا چراغ ٹمٹمانے لگا تھا۔ اس نازک حالت میں مولانا رومؒ نے اپنے شعلۂ عشق اور نور باطن سے اس گل آباد "نگار خانہ" میں عشق و مستی اور جذب و شوق کا صور پھونکا۔

یونانی فکر سے متاثر فلسفہ نے جب سر اٹھایا اور اپنی موشگافیوں اور آشفتہ بیانیوں کے زعم میں کتاب و سنت کی ہمسری و ہم چشمی کا دعویٰ کیا تو امام ابن تیمیہؒ نے اس بحران کی قلعی کھولی اور بڑی صفائی سے اس مادۂ فاسدہ کو دور کیا جس کی وجہ سے پورا جسم معطل سا ہو رہا تھا۔

بارہویں صدی میں جب علوم اسلامیہ کا گل خوش رو کمھلانے لگا اور شریعت کا مہتاباں گہنانے لگا اور حالات نے علوم اسلامیہ کے ایک ماہر شناور اور شریعت کے ایک وسیع النظر و ہمہ گیر ترجمان کی ضرورت کا احساس پیدا کیا تو اس ضرورت کو رفع کرنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کا وہ زریں سلسلہ وجود میں آیا جس کی بدولت ہندوستان میں علم کا آوازہ بلند ہوا اور حدیث کا سکہ رواں ہوا۔

تیرہویں صدی میں ہندوؤں کے اختلاط، علماء و مشائخ کی چشم پوشی و مصلحت کوشی اور صوفیائے خام کے اثر سے ہندوستان

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

شیخ محمد بن احمد بن حسن خزرجی (ابوظبی)

دعوت خیر

دعوت و تبلیغ سلف صالحین کا شعار رہا ہے یہ وہ کامیاب و درست طریقہ ہے جو انسانیت کے بہترین مستقبل کا ضامن ہے اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو بحسن و خوبی اسے انجام دینے کا حکم فرمایا ہے فرمایا: (خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ○ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○

(اعراف ۱۹۹ - ۲۰۰)

(اے محمد) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو خدا سے پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے

دعوت کا یہ طریق کار قوم کو پستی سے اٹھا کر بلندی کے معیار پر پہنچاتا ہے گناہ میں ڈوبے ہوئے دلوں کو طہارت و پاکی بخشتا ہے۔ اچھے کاموں کا حکم دینا اور بھلی راہ دکھانا اپنے بھائی کو غفلت سے ہوشیار و بیدار کرتا ہے کتنے ایسے غافل وار برباد لوگ تھے، جنہیں وعظ و نصیحت سے نئی زندگی نصیب ہوئی نیکی کا حکم خیر کا سرچشمہ ہے، پھلوں سے لدا ہوا ایک سایہ دار باغ ہے، یہ تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ پر لے جاتا ہے، معاشرہ و ماحول میں یہ نظم و ضبط پیدا کرتا ہے اسے قوت و توانائی بخشتا ہے، اسکو روحانی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ روحانی رابطہ بھی کتنا اچھا رابطہ ہے جو بندے کو آقا سے ملا دیتا ہے، وصال کے فیضان سے بہرہ ور کرتا ہے، خدا کے نزدیک دعوت کا کام کرنے والوں کا بڑا رتبہ ہے۔ قیامت میں جب وہ اپنے آقا سے ملیں گے تو ان کی بڑی شان و بڑا رتبہ ہوگا، خواہ عزہ و اہل منصب لوگ اس راہ میں ان کو ستائیں ہی کیوں نہیں، اس لئے کہ دعوت کا راستہ دشوار و خاردار راستہ ہے، جو خواہشات نفسانی سے ٹکراتا ہے اور طرح طرح کی مصلحتوں کو سامنے کرکے رکاوٹ ڈالتا ہے،

لہٰذا اس کارزار میں قدم رکھنے والے کو اللہ کی رضا کے لئے مشقتیں جھیلنے کیلئے تیار رہنا چاہئے اور دعوت میں حسن اخلاق و نرم خوئی سے کام لینا چاہئے ترش روئی و بدخوئی سے پیش آنے والوں کے ساتھ و درگذر سے کام لینا چاہئے، آج کے دور میں خصوصاً نرم گفتاری اور حسن اخلاق کے ساتھ دعوت و تبلیغ زیادہ مفید و کارگر اور مقصد میں کامیاب بنانے والا اسلوب دعوت ہے، ربانی تعلیم بھی یہی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۔ طہ ۴۴)

اور اس سے نرمی سے بات کرنا۔ شاید وہ غور کرے اور ڈر جائے۔

اس لئے کہ نیکی کا حکم دینا انسان کو مالوفات سے ہٹاتا ہے جن کا وہ عادی ہے اور نفس انسانی کے لئے انہیں کشش ہے اور خواہشات نفس راہ میں حائل ہیں اب اگر انہیں سختی سے دعوت خیر دی جائے گی تو یہ بگڑی ہوئی طبیعتیں اسکو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گی، لہٰذا اپنے آپ کو اس جہاد کے لئے آمادہ و تیار کرکے اس عظیم کام میں کوشاں رہنا چاہئے اور لوگوں کی ملامت و استہزا کو خاطر میں نہ لانا چاہئے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی۔ فرمایا کہ میں اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت پر دھیان نہ دوں اور حق بات کہوں چاہے کتنی ہی کڑوی ہو ــــ

ہمیں اس نبوی تعلیم کی روشنی میں اللہ کی رضا کا جویا ہونا چاہئے کہ اخلاص کے بغیر اعمال کی کوئی قیمت نہیں، جب اخلاص اور دل کی گہرائیوں سے دعوت کا کام ہوگا تو دل اس کو قبول کریں گے۔ ع از دل خیزد بر دل ریزد

لیکن داعی کو چاہئے کہ جو دعوت وہ دے رہا ہے پہلے خود کو اس پر عمل پیرا کرے ورنہ اس دعوت کا کچھ حاصل نہ ہوگا اللہ تعالیٰ نے اسی کی ہدایت فرمائی ہے قرآنی ارشاد ہے يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ

(آل عمران - ۱۱۴)

(اور) خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں۔ اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔

داعی کو کمزوری و کم ہمتی کا شکار نہ ہونا چاہئے خیر و بھلائی ہمت و آگے بڑھنے میں ہے ہم اپنے بھائیوں کے حقوق کا فریضہ ادا کریں تو اچھے نتائج سامنے آئیں گے بندہ کی کوشش اکارت نہیں جاتی اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر و صلہ کو ضائع نہیں فرماتا اس کا ارشاد ہے (وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ) اور نصیحت کرو نصیحت مومنوں کو نفع پہونچاتی ہے،

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے فرمایا لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو۔

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ) مائدہ ۔ ۱۰۵

اے ایمان والو! اپنی جانوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتا۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ جب برائیوں کو دیکھیں پھر اسکو دور نہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب بھیجے گا جس میں اچھے برے سب مبتلا ہوں گے، ــــ ابن ماجہ وغیرہ

ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ جب لوگ ظالم کو ظلم سے نہ روکیں تو اللہ کا عذاب سب پر عام ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دو برائی سے روکو آپ نے فرمایا: نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے برائی سے روکنا صدقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

(توبہ - آیت ۷۱)

(اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا رحم کرے گا اور بیشک خدا بڑی حکمت والا ہے)

بقیہ ص: ۲۵

میں شرک و بدعات کی گرم بازاری تھی۔ ان سنگین اور حوصلہ فرسا حالات میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جامع کمالات اور ہمہ گیر شخصیت نے صحیح اسلامی عقائد کی تبلیغ اور توحید و سنت کی عالمگیر اشاعت فرماکر "تجدید دین" کا اہم فریضہ انجام دیا۔

اور عصر حاضر میں جب سائنس و ٹکنالوجی کا غلغلہ بلند ہوا اور نئے نئے مسائل عالم اسلام کے لئے چیلنج بن کر سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ نے اسی "بقاء دین" کے اصول کے تحت "ندوۃ العلماء" کا وجود بخشا۔ ندوہ ایک "روشن فکر"، وقت کی آواز اور قدیم و جدید کا سنگم ہے۔ ماضی کی عظمت، حال سے آگہی اور مستقبل کی فکر و کوشش ندوہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ ندوہ نے علم و ادب اور فکر و فن کے ایسے اعلام تیار کئے جنھوں نے ہر موڑ پر فکر ندوہ کو حرز جاں بناکر فرزندان ندوہ کے دیکھے ہوئے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں دامے، قدمے اور درمے حصہ لیا۔ ندوہ نے علمی، ادبی اور دینی اسٹیج پر جو خدمات انجام دی ہیں اور کارگاہ حیات میں قدم رکھ کر اپنے فکر و فن کا جس طرح مظاہرہ کیا ہے وہ کسی تشریح و تعارف کا چنداں محتاج نہیں، بادہ گساران علم و ادب اور قدح خواران فکر و فن آج بھی ان خدمات و کاوشوں کو سراہتے ہیں اور تشکر و جذبات سے مغلوب ہوکر بار بار ان کے لبوں پر یہ دعا تمنا بن کر آتی ہے ــــ داتا رکھے آباد ان ساقی تری محفل کو

ندوہ کے شب و روز

آفتاب عالم فضیلت دوم

عیدالاضحیٰ کی گیارہ روزہ تعطیل ختم ہوئی، طلبہ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً دو ہفتہ بعد دارالعلوم میں پھر سے چہل پہل نظر آنے لگی اور تعلیم کی ہما ہمی اور اسباق کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں، اراکین جمعیۃ الاصلاح کی طرف سے الاصلاح کے افتتاحی جلسے کے انعقاد کا اعلان ہوا اور ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کو یہ افتتاحی جلسہ زیر صدارت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی الاصلاح کے جمالہ ہال میں منعقد ہوا۔ محمد خضر مصطفیٰ نے تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز کیا۔ تلاوت کے بعد خوش الحان اور طرب انگیز آواز میں ندوہ کا ترانہ پیش کیا گیا۔ جس کی اس طرح کے جلسوں میں نگاہیں ہمیشہ منتظر اور دل ہمیشہ مشتاق رہے ہیں اور جس کی جدت میں بار بار پڑھے جانے کے باوجود بھی کوئی فرق نہیں آتا اس کے بعد سرور عالم نے مقاصد ندوہ پر مولانا محمد ثانی مرحوم کی نظم نہایت نشاط آور اور مسرت افزا لہجہ میں پڑھ کر حال میں سکون کا سماں باندھ دیا۔ آپ بھی اس نظم کو پڑھ لیجئے۔

کتنے مرد با خدا تھے کتنے دانا ہوشمند
جن کے دل میں موجزن تحریک ندوہ کی ہوئی
ہر طرف تعلیم کا تھا ایک فرسودہ نظام
اصل دین پر چھا رہا تھا ایک تعطل اک جمود
ہو گئے بے چین دیکھ کر یہ حال زار
متفق ہو کر بنایا اہل حق نے اک نظام
چند اہل درد نے تحریک ندوہ پیش کی
نیک تھی ان کی نیت اور خوب تھا ان کا عمل
شیخ کامل حضرت امداد تاج الاولیاء
آپ نے تائید فرمائی تھی اس تحریک کی
چل پڑی تحریک یہ بس آگ پانی کی طرح
ہر قدم ملتے رہے تحریک کو وہ رہنما
شبلی نعمانیؒ، مونگیریؒ، شیروانیؒ، مہدیؒ
آسمان علم میں سب نے لگائے چار چاند
آج تک سید سلیمان کی دلوں میں یاد ہے
درسگاہ ندوہ کہتے ہیں جسے دارالعلوم
کیا ادب تاریخ کیا، اور کیا سلوک و معرفت
میں بتاتا ہوں تمہیں اس دور میں ندوہ ہے کیا

درد سے معمور تھے دل اور فطرت ارجمند
ڈال کر بنیاد ندوہ کی کیا اس کو بلند
اور اس پر یہ کہ ڈھیلا ہو رہا تھا بند بند
اہل باطل بے خطر ان پر لگاتے تھے زقند
اہل علم اور اہل دین اور قوم کے کچھ دردمند
تاکہ پھر اسلام پر حملوں کا ہو دروازہ بند
کہ یہی تحریک ملت کے لئے تھی سودمند
اس لئے اللہ کو ان کا عمل آیا پسند
جن کے دامن سے ہی وابستہ ہے سارا دیوبند
آپ کی تائید کا ندوہ بہت احسان مند
اہل حق ہونے لگے ہر ہر قدم پر فتح مند
تھے یقیں محکم سراپا دردمند و فکرمند
ان میں ہر ایک کا مقام و رتبہ کتنا بلند
علم ظاہر ہو کہ باطن کر دیا سب کو دو چند
صاحب قلب و نظر ہے اور زبان ہوشمند
علم کے معیار کو کتنا کیا اس نے بلند
جس کی جا ہو اس ادارہ سے ملے گی تم کو قند
ایک قلب دردمند اور ایک فکر ارجمند

اس ادارہ پر ہے اب اللہ کی نظر کرم
اس لئے اس کو کوئی پہونچا نہیں سکتا گزند

اس نظم کے بعد ناظم الاصلاح محمد اسحٰق حسینی نے اپنا شستہ و شگفتہ، مختصر مگر نہایت جامع مقالہ پیش کیا۔ پھر الاصلاح کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے اہم اور کلیدی شعبوں کا مختصر تعارف پیش کیا نیز الاصلاح کی افادیت کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر علامہ اقبال اور مولانا محمد علی جوہر وغیرہ کے تاثرات کے اہم اقتباسات پیش کئے جو مقالے کی جان تھے۔

اس کے بعد محترم و مکرم صدر جلسہ نے اپنی تقریر شروع کی، وقت کم اور افکار و خیالات کا ہجوم حضرت مولانا نے اپنی تقریر کو سمیٹتے ہوئے فرمایا کہ ندوۃ العلماء کے مخلص بانیوں کے ذہن رسا نے جن اعلیٰ و ارفع مقاصد تک پرواز کی اور جس روشن فکر تک رسائی کی تھی اس سے ہم ابھی آگے نہیں بڑھ سکے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان مخلصین کے دیرینہ و مقدس خواب کو ابھی ہم نے شرمندہ تعبیر بھی نہیں کیا ہے۔ جو چیز ندوہ کا طغرائے امتیاز تھی اب وہ عام ہو چکی ہے علم و ادب اور فکر و فن پر کسی کا اجارہ نہیں۔ یہ اپنی اپنی کوششوں کا پھل اور دین ہے اتنی تگ و دو اور جیسی پرواز ہوگی اسی حساب سے یہ شجرۂ علم و ادب برگ و بار لائے گا اور یہ شاخ فکر و فن تناور ہوگی ع

توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے

اس لئے ہمیں اپنی کوششوں اور کاوشوں کا سلسلہ ابدی دلجمعی و اولوالعزمی سے جاری رکھنا چاہئے، ضرورت ہے جد و جہد کی، خون پسینہ کی ایک کرنے اور اپنے مقاصد میں منہمک ہو جانے کی، ملتیں بنتی ہیں قربانیوں سے، جانفشانیوں اور جانبازیوں سے، قومیں پھلتی اور پھولتی ہیں عزم محکم اور عمل پیہم سے تحریکیں چلتی ہیں کوششوں اور کاوشوں سے قوموں کا ستارہ چمکتا ہے خون پسینہ ایک کرنے سے اپنے مقصد کے لئے مر مٹنے اور اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دینے سے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس روز افزوں بحران اور بلا خیز ابتلاء کی طرف توجہ دلائی جس سے آج ہر ادارہ دوچار ہے یہ ابتلاء ہے طلبہ کا چند ٹکوں کیلئے اپنی مادر علمی اور اپنے محبوب اداروں کو چھوڑ کر باہر ممالک جانے کا، حضرت مولانا نے نہایت مشفقانہ و مخلصانہ انداز میں ہمیں مشورہ دیا کہ ہم ان مذہبی درسگاہوں کو بیرونی ممالک جانے کا پل ہرگز نہ بنائیں، اپنے اداروں پر ناز کریں اور ان اداروں نے جس خون جگر سے ہماری علمی و فکری صلاحیتوں کو پروان چڑھایا ہے، اسی خون جگر اور اسی جذبۂ عمل سے ہم ان اداروں کے مقاصد کی تکمیل میں مشغول، سرزمین علی گڑھ سے مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر عبدالحق اور مولانا لیاقت علی جیسی فعال شخصیتوں کے اٹھنے میں جس چیز کا خاص دخل تھا وہ بھی اپنے ادارے پر ناز اور اپنی یونیورسٹی پر فخر۔

حضرت مولانا نے طلبہ کے لئے خیر و برکت اور دلجمعی و ثابت قدمی کی دعا فرماتے ہوئے تقریر فرمایا اور جلسہ کے اختتام کا اعلان کر دیا گیا۔

بمبئی میں
خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
اس کے علاوہ خصوصی پیشکش
ڈرائی فروٹ برفی
ملک کیک * قلاقند * ملائی * برفی * کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
فون 320059
بیکری ــــ ۳۳ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳

Regd No. LW/NP 56

Phone : 42948, 497

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226007 (India)

مشرق کے ۲ بہترین اور پروقار عطریات جو اپنی عمدہ خوشبو کے لئے مشہور ہیں!

عطر مجموعہ ۹۶ رجسٹرڈ

ATTAR MAJMUA 96

عطر نسیم

رجسٹرڈ

ATTAR NASEEM

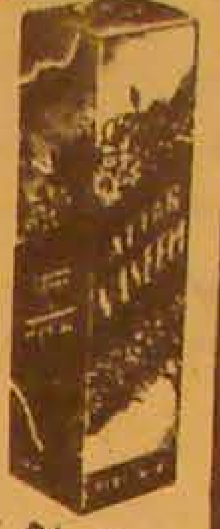

حامی اینڈ کمپنی پرفیومرس جامع مسجد بمبئی ۲

HAMI & CO. Perfumers

Juma Masjid, BOMBAY-2 (INDIA)

PREMIER ADVERTISERS

مئو کے اصلی نورانی تیل کی خاص پہچان

- لیبل پر مینوفیکچرنگ لائسنس نمبر U18/77 ضرور دیکھیں
- کیپسول پر مارکہ دیکھیں
- اگر لیبل پر مذکورہ لائسنس نمبر نہ ہو اور ایل ٹی مارکہ نہ ہو یا دوسرا مارکہ ہو تو ہرگز نہ خریدیں۔

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ، کٹنے، جلنے کی مشہور دوا

انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

سوپر ڈسٹ کے اسپشلسٹ

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

44, Haji Building, S. V. Patel Road
Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele : Add. CUPKETTLE
Phone { SHOP: 862220
RESI: 898684

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

نگران اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے پرکاش پیکرز، ۲۵۷ گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات شعبہ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔